5282CH14

موضوع
چودہ

تقسیم کی فہم

سیاست، یادداشتیں، تجربات

شکل 14.1

ملک کی تقسیم کی وجہ سے لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے ،اور پناہ گزیں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ۔ان کو ایک نئے ملک میں نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

ہم جانتے ہیں کہ 1947 میں نوآبادیاتی حکمرانی سے ہمارے ملک کی آزادی کی خوشی تقسیم ملک کی بربریت اور تشدد سے بے رونق ہوگئی۔ برطانوی ہندوستان کی دوخودمختار ریاستوں ہندوستان اور پاکستان (مع اپنے مغربی اور مشرقی حصے) میں تقسیم نازک حالات کا سبب بنی۔ ہزاروں زندگیوں کا خاتمہ ہوگیا اور بہت سی دیگر ڈرامائی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ شہر بدل گئے۔ ہندوستان تبدیل ہوگیا، ایک نیا ملک وجود میں آیا اور نسل کشی پر مبنی تشدد اور ہجرت کے ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے جس کی اس سے قبل کوئی مثال نہ تھی۔

© NCERT not to be republished

شکل14.2
یہ فوٹو گراف اس زمانے کے تشدد کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔

یہ باب تقسیم ملک کی تاریخ کی جانچ کرے گا کہ یہ کیوں اور کس طرح واقع ہوئی علاوہ ازیں، 1946-50 کے دوران اور اس کے بعد بھی عام لوگوں کی سخت پریشانی وتکالیف کے تجربات کس طرح کے تھے۔ ساتھ ہی اس باب میں یہ بحث بھی ہوگی کہ لوگوں سے بات چیت اور انٹرویو کے ذریعہ یعنی زبانی تاریخ کا استعمال کرتے ہوئے ان کے تجربات کی تاریخ کی کیسے تعمیر نو کی جاسکتی ہے۔ یہ باب بیک وقت زبانی تاریخ کی اہم خصوصیات اور محدودات کی نشاندہی کرے گا۔ انٹرویو سے ہم سماج کے ماضی کے یقینی پہلوؤں کے متعلق آگاہی حاصل کر سکتے ہیں جن کے متعلق دوسرے قسم کے ماخذوں سے ہمیں تھوڑی بہت معلومات مل پاتی ہیں یا بالکل نہیں مل پاتیں۔ کئی معاملات کے متعلق یہ انٹرویوز زیادہ کچھ آشکارا نہیں کر پاتے جن معاملات کی تاریخ کی تعمیر کے متعلق بعد میں ہمیں دیگر ماخذوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس مسئلے پر ہم اس باب کے آخر میں رجوع کریں گے۔

1. تقسیم کے چند تجربات
(SOME PARTITION EXPERIENCES)

یہاں تین واقعات پیش کیے جارہے ہیں جن کو 1993 میں ایک محقق کے سامنے ان لوگوں نے بیان کیا تھا جن کا ان پریشانیوں سے عملی سابقہ پڑا تھا۔ یہ اطلاعات دینے والے پاکستانی ہیں اور محقق ہندوستانی۔ اس محقق کا کام اس بات کی تفہیم کرنا تھا کہ جو لوگ کئی نسلوں سے کم وبیش ہم آہنگی کے ساتھ رہتے تھے آخر انھوں نے ایک دوسرے پر تشدد کیسے مسلط کر دیا۔

ماخذ 1

میں تو صرف اپنے والد پر واجب الادا قرض واپس کر رہا ہوں"
("I am simply returning my father's karz, his debt")

محقق نے یہ اس طرح قلمبند کیا ہے:

1992 کے موسم سرما میں، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی شعبہ تاریخ کی لائبریری کے میرے دورے کے دوران، وہاں کے لائبریرین عبداللطیف صاحب جو ایک ادھیڑ عمر متقی و پرہیزگار شخص تھے میری بہت مدد کیا کرتے تھے۔ اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے اور اس سے کہیں آگے جا کر وہ مجھے متعلقہ مواد مہیا کراتے تھے۔ میری فرمائش کی ہوئی فوٹو کاپیاں اگلی صبح میرے پہنچنے سے قبل حد سے زیادہ احتیاط کے ساتھ تیار رکھتے تھے۔ میرے کام کے تئیں ان کا رویہ اپنے لیے میں نے نہایت غیر معمولی پایا کہ ایک دن میں خود کو روک نہ سکا اور پوچھ ہی لیا۔ لطیف صاحب، آپ غیر معمولی طریقے سے میری اتنی زیادہ کیوں مدد کرتے ہیں؟ لطیف صاحب نے ایک نظر اپنی گھڑی پر ڈالی، اچانک جھپٹ کر اپنی نمازی

© NCERT not to be republished

ٹوپی اٹھائی اور کہا'' ابھی تو فوراً میں نماز کے لیے جارہا ہوں لیکن میں واپسی پر آپ کو اس سوال کا جواب ضرور دوں گا'' آدھے گھنٹے بعد اپنے دفتر پہنچتے ہی انھوں نے بات چیت کا سلسلہ جاری رکھا۔

ہاں، آپ کا سوال، میں....... میرا مطلب ہے، میرے والد جموں سے تعلق رکھتے تھے۔ جموں ضلع میں ایک چھوٹے سے گاؤں سے۔ یہ ایک ہندو غلبہ والا گاؤں تھا اور اگست 1947 میں علاقے کے ہندو غنڈوں نے اس چھوٹے سے گاؤں کی مسلم آبادی کا قتل عام کردیا۔ ایک دن آخر سہ پہر جب ہندوؤں کی بھیڑ بدترین غصے میں بھری ہوئی تھی تو میرے والد کو پتہ چلا کہ وہ شاید گاؤں کے صرف اکیلے مسلم نوجوان ہیں جو زندہ بچے ہیں۔ وہ اپنے پورے خاندان کو اس خونریزی میں پہلے ہی کھو چکے تھے اور بھاگنے کے راستے تلاش کررہے تھے۔ انھیں ایک رحم دل ہندو پڑوسی عورت یاد آئی، انھوں نے اپنی پڑوسن بزرگ سے اپنے گھر میں پناہ دینے کی عاجزانہ استدعا کی۔ وہ خاتون والد صاحب کی مدد کرنے کے لیے راضی ہوگئیں لیکن انھوں نے کہا'' بیٹا اگر تم یہاں چھپتے ہو تو وہ ہم دونوں کو پکڑ لیں گے۔ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تم میرے پیچھے اس جگہ تک چلو جہاں ان لوگوں نے مردہ لوگوں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ تم وہاں مردہ شخص جیسے بن کر لیٹ جانا اور میں تم پر کچھ لاشیں ڈال دوں گی۔ بیٹا وہاں لاشوں کے درمیان ساری رات اسی طرح لیٹے رہنا اور کل صبح ہوتے ہی اپنی زندگی بچانے کے لیے سیالکوٹ کی طرف دوڑ جانا۔

''میرے والد اس تجویز پر راضی ہوگئے۔ پھر وہ دونوں اس جگہ تک گئے، والد صاحب زمین پر لیٹ گئے اور ضعیف عورت نے کئی لاشیں ان کے اوپر ڈال دیں۔ گھنٹہ بھر بعد مسلم ہندو چوروں کا ایک گروپ وہاں نمودار ہوا۔ ان میں سے ایک چیخ اٹھا۔ کسی میں کچھ جان باقی ہے؟ اور دیگر افراد اپنی گندی لاٹھیوں اور بندوقوں کے ساتھ اس انبار میں زندگی کے آثار تلاش کرنے لگے۔ کوئی شخص چلایا'' اس لاش کی کلائی پر گھڑی موجود ہے! اپنی رائفل کا کندہ اس نے میرے والد کی انگلیوں پر زور سے مارا۔ والد صاحب عموماً ہمیں بتایا کرتے تھے کہ گھڑی والی کلائی کی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو بغیر ہلائے رکھنا ان کے لیے کتنا مشکل کام تھا پھر بھی وہ قطعاً بے حرکت پڑے رہے۔ کسی طرح وہ چند سیکنڈ کے لیے ایسا کرنے میں کامیاب رہے اسی وقت ان میں سے ایک شخص بولا'' ارے یہ صرف ایک گھڑی ہی تو ہے، چلو یہاں سے چلتے ہیں، اندھیرا ہونے لگا ہے: اباجی کی یہ خوش قسمتی تھی کہ وہ لوگ چلے گئے اور میرے والد پوری رات وہاں نحوست زدہ ماحول میں لیٹے رہے، صبح کی سپیدی کا خفیف سا اشارہ پاکر بلا مبالغہ اپنی زندگی (بچانے) کے لیے دوڑ پڑے۔ وہ سیالکوٹ پہنچنے تک واقعتاً کہیں نہیں رکے تھے۔

''میں آپ کی مدد کرتا ہوں کیونکہ اس ہندوستانی نے میرے والد کی مدد کی تھی۔ میں تو صرف اپنے والد پر واجب الادا قرض واپس کررہا ہوں''

لیکن میں ہندو نہیں ہوں'' میں نے کہا'' میرا تعلق ایک سکھ خاندان سے ہے یا زیادہ سے زیادہ ایک مخلوط ہندو۔ سکھ خاندان سے''

میں یقین کے ساتھ نہیں جانتا کہ آپ کا مذہب کیا ہے۔ آپ بغیر کٹے بال (کیش) بھی رکھتے ہیں اور آپ مسلمان بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا میرے لیے تو آپ ایک ہندو ہیں اور میں جو تھوڑا بہت آپ کے لیے کرتا ہوں اس وجہ سے کرتا ہوں کیونکہ ایک ہندو مائی نے میرے والد کی جان بچائی تھی۔''

© NCERT not to be republished

ماخذ 2

''خاصا بڑا عرصہ ہوا، میں کسی پنجابی مسلمان سے نہیں ملا'' ("For quite a few years now, I have not met a Punjabi Musalman")

محقق کی دوسری کہانی لاہور میں واقع ایک یوتھ ہاسٹل کے منیجر کے متعلق ہے:

میں جائے اقامت کی تلاش کے لیے ہاسٹل گیا تھا اور فوراً ہی اپنی شہریت کا اعلان کر دیا۔ منیجر نے کہا ''آپ ہندوستانی ہیں لہٰذا میں آپ کو کمرہ الاٹ (تفویض) نہیں کر سکتا لیکن میں آپ کو چائے پلا سکتا ہوں اور ایک کہانی سنا سکتا ہوں۔ میں اس پیش کش کو مسترد نہیں کر سکتا تھا'' منیجر نے کہنا شروع کیا ''1950 کی دہائی کی ابتدا میں میں دہلی میں تعینات تھا، میں پوری توجہ سے سن رہا تھا۔''

میں وہاں پاکستانی ہائی کمیشن میں ایک کلرک کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور میرے ایک لاہوری دوست نے یہ کہتے ہوئے مجھے ایک رقعہ دیا تھا کہ یہ، اس کے سابقہ پڑوسی (لاہور میں) جو اب پہاڑ گنج، نئی دہلی میں رہتے ہیں، ان کو پہنچا دوں، ایک دن اپنی سائیکل لے کر پہاڑ گنج کی طرف چلا اور جیسے ہی میں نے سینٹرل سیکریٹریٹ کے سامنے والے کتھیڈرل (گرجا گھر) کو عبور کیا مجھے ایک سائیکل سوار سکھ نظر آیا۔ میں نے پنجابی میں اس سے پوچھا، سردا جی، پہاڑ گنج کی طرف جانے والا راستہ کدھر سے ہے،

''کیا آپ پناہ گزیں (رفیوجی) ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، میں لاہور سے آیا ہوں، میں اقبال احمد ہوں''۔

''اقبال احمد..........لاہور سے؟ ٹھہرو!

''وہ ٹھہرو'' کی آواز مجھے ایک بے رحم حکم کی طرح لگی اور میں نے فوراً ہی سوچا کہ اب تو میں گیا۔ یہ سکھ مجھ کو ختم کر دے گا۔ لیکن اس موقع پر راہ فرار نہ تھی چنانچہ میں رک گیا۔ وہ ہٹا کٹا سکھ دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے کس کر گرمجوشی کے ساتھ چھاتی سے لگا لیا۔ بھیگی آنکھوں سے اس نے کہا ''خاصا بڑا عرصہ ہوا۔ میں کسی پنجابی مسلمان سے نہیں ملا۔ میں کسی (پنجابی مسلمان) سے ملنے کا آرزومند تھا لیکن تم کو یہاں پنجابی بولنے والے مسلمان نہیں ملیں گے۔''

شکل 14.3
ایک کروڑ سے زائد افراد اپنے مادر وطن سے بے گھر ہو گئے اور ہجرت کرنے کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔

ماخذ 3

''نہیں، نہیں! تم کبھی ہمارے نہیں ہو سکتے''
("No, no! You can never be ours")

محقق سے وابستہ تیسری کہانی اس طرح ہے:

1992 میں لاہور میں ہونے والی ایک شخص سے ملاقات ابھی تک وضاحت سے میرے حافظے میں موجود ہے۔ وہ غلطی سے مجھے غیر ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والا ایک طالب علم سمجھ بیٹھا، نہ جانے کس سبب وہ مجھے پسند کرنے لگا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد قوم کی خدمت کرنے کے لیے میں وطن واپس لوٹ آؤں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں ایسا کروں گا لیکن بات چیت کے دور میں، میں نے بات بڑھاتے ہوئے کہا کہ میری شہریت دراصل ہندوستانی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لہجہ بدل گیا اور خود پر قابو پاتے پاتے بھی اس کے منہ سے بے دھڑک نکلا۔

''اف، ہندوستانی! میں سمجھا تھا کہ تم پاکستانی ہو''۔ میں نے اسے متاثر کرنے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ میں خود کو ہمیشہ جنوب ایشیائی سمجھتا ہوں۔ نہیں، نہیں! تم کبھی بھی ہمارے نہیں ہو سکتے۔ تمھارے لوگوں نے 1947 میں میرے پورے گاؤں کو صاف کر دیا تھا، ہم کٹر دشمن ہیں اور ہمیشہ رہیں گے''۔

(1) ہر ایک ماخذ، آپس میں بات چیت کرنے والے افراد کے دو رویوں کے متعلق کیا ظاہر کرتے ہیں!

(2) آپ کے خیال میں، یہ کہانیاں ان لوگوں کی تقسیم ہند سے وابستہ مختلف یادوں کے متعلق کیا آشکارا کرتی ہیں؟

(3) ان افراد نے خود کو اور ایک دوسرے کی کس طرح شناخت کی؟

بحث کیجیے

تقسیم سے متعلق لکھنے میں اس طرح کی کہانیوں کی قدر و قیمت کی تشخیص کیجیے۔

2. عظیم یادگار علامت
(A MOMENTOUS MARKER)

2.1 تقسیم یا قتل عام؟ (Partition or holocaust?)

ابھی پیش کی گئی حکایات سے جاری تشدد جو تقسیم کے کردار کی خصوصیت ہے امتیاز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ہزارہا افراد مارے گئے اور لاتعداد عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر ہوا اور ان کو اغوا کیا گیا۔ کروڑوں افراد اجڑ گئے اور اجنبی زمین میں پناہ گزیں بن گئے۔ انسانی اموات کے بالکل صحیح تخمینے تک پہنچنا ناممکن کام ہے معلومات اور فاضلانہ اندازے کے مطابق اس سانحہ میں مرنے والوں کی تعداد 2,00,000 سے 5,00,000 تک رہی ہے۔ تمام امکانات کے مدنظر تقریباً ڈیڑھ کروڑ افراد کو عجلت میں تعمیر ہندوستان اور پاکستان کو علاحدہ کرنے والی سرحد کے اس جانب یا اس جانب آنا جانا پڑا۔ جوں ہی وہ لوگ اس ''خط آثار'' (Shadow lines) رسمی آزادی کے دو دن بعد تک بھی ان دو نئی ریاستوں کے درمیان سرحد باضابطہ سرکاری طور پر بھی کوئی علم نہ تھا، دوچار ہوئے، وہ بے گھر ہو گئے۔ اچانک اپنی تمام غیر منقولہ اثاثہ جات اور منقولہ اثاثے انھوں نے کھو دیے، اپنے بہت سے عزیز و اقارب سے جدا ہو گئے، اپنی جڑوں، مکانوں، کھیتوں

© NCERT not to be republished

شکل 14.4
بیل گاڑی پر اپنے خاندان اور سامان کے ساتھ، 1947

اور خوش نصیبی (دولت وثروت) نیز اپنی بچپن کی یادوں سے زبردستی محروم کر دیا گیا۔ اس طرح اپنی مقامی یا علاقائی تہذیب سے بھی وہ دور ہو گئے۔ وہ لوگ اپنی زندگی شروع کرنے کے لیے کسی مدد کے بغیر دانہ دانہ چگنے کے لیے مجبور تھے۔

کیا یہ صرف ایک کم وبیش منظم آئینی تصفیہ، ایک رضامندی کی بنیاد پر علاقوں اور اثاثوں کی تقسیم تھی یا اسے سولہ ماہ کی خانہ جنگی کہا جائے یا اسے دونوں طرح کی نہایت منظم طاقتوں کے ذریعہ پوری کی پوری آبادیوں کو ایک دشمن کے طور پر صفایا کرنے کے لیے حقیقی کوشش تسلیم کی جائے؟ زندہ بچ جانے والے افراد خود 1947 کو اکثر دیگر الفاظ ''ماشل لا'' (مارشل لا) ''مارا ماری'' اور ''رولا'' یا ''ہلڑ'' (ہنگامہ) وغیرہ کرتے ہیں۔ تقسیم کے زمانے میں ہونے والے قتل، زنا بالجبر، آتش زنی اور لوٹ مار کے متعلق بات کرتے ہوئے ہم عصر مشاہدین اور دانشوروں نے گاہے گاہے ''مرگ انبوہ''، قتل عام (Holocaust) کی تعبیر استعمال کی ہے نیز اس کے بنیادی معنی تباہی وبربادی یا اجتماعی پیمانے پر قتل عام کے لیے ہیں۔

کیا الفاظ کا یہ استعمال موزوں ہے؟

آپ نے نویں جماعت میں جرمن ہولوکاسٹ (قتل عام) کے متعلق پڑھا ہوگا۔ 1947 میں

برصغیر میں جو کچھ واقع ہوا اس کی شدت کا شعور و ادراک، اصطلاح ''مرگ انبوہ'' (Holocaust) سے کیا جا سکتا ہے۔ ''تقسیم یا بٹوارہ'' کسی قدر نرم اصطلاح ہے جس سے یہ تباہی و بربادی اوجھل رہتی ہے۔ اس سے یہ بھی مرتکز کرنے میں مدد ملتی ہے کہ جرمنی کے مرگ انبوہ (Holocaust) کی طرح ہمارے، ہم عصر اندیشوں میں تقسیم کو اتنا زیادہ منسوب اور یادکیوں کیا جاتا ہے۔ تاہم ان دونوں واقعات کے درمیان فرق کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ 48-1947 میں برصغیر ہندو پاک میں قلع قمع کرنے کی کسی سرکاری مہم کی کوئی شہادت نہیں ہے جیسا کہ نازی جرمنی کے معاملے میں جہاں لوگوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کنٹرول اور تنظیم کی مختلف جدید تکنیکوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ ہندوستان کی تقسیم کے کردار کی خصوصیت ''نسلی صفایا'' تھی جو سرکاری اداروں کے بجائے مذہبی فرقوں کے خود ساختہ نمائندوں کے ذریعہ انجام دیا گیا تھا۔

2.2 دقیانوسی طرز کی طاقت (The power of stereotypes)

پاکستان میں ہندوستان سے متنفر اور ہندوستان میں پاکستان سے متنفر افراد، دونوں ہند کی پیداوار ہیں۔ گاہے گاہے کچھ لوگ غلط فہمی کی بنا پر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی وفاداریاں پاکستان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے یہ دقیانوسی انداز، مسلمانوں کے ملک کے باہر اتحاد اسلامی کی وفاداریوں کے ساتھ دیگر انتہائی قابل اعتراض خیالات سے مل جاتے ہیں جیسے مسلمانوں کی ملک کے باہر اتحاد اسلامی کی وفاداریوں کے ساتھ دیگر انتہائی قابل اعتراض خیالات، مسلمان ظالم و بے رحم کٹر اور گندے ہوتے ہیں اور وہ حملہ آوروں کی اولاد ہیں جبکہ ہندو رحم دل، بے تعصب، روادار اور خالص (صحیح النسل) ہیں اور جن پر حملہ کیا گیا ان کی اولاد ہیں۔ صحافی آر۔ ایم۔ مرفی نے اپنے مطالعہ میں ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں بھی اسی طرح کی دقیانوسی انداز کی فزائش کی کمی نہیں۔ ان کے مطابق بعض پاکستانی محسوس کرتے ہیں کہ مسلمان منصفانہ، بہادر، موحد (توحید پرست) اور گوشت خور ہوتے ہیں۔ جب کہ ہندو کالے، بزدل، مشرک اور سبزی خور ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض دقیانوسی انداز تقسیم سے قبل کا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ 1947 کی وجہ سے انھیں کافی تقویت ملی۔ مؤرخین کے ذریعہ ان تعبیرات میں پوشیدہ تصور کی مسلسل تنقید کی گئی ہے لیکن یہ دونوں ہی ملکوں میں نفرت کی آواز کو مدھم نہیں کر پائے۔

ملک کی تقسیم نے کچھ ایسی یادیں، نفرتیں، دقیانوسی انداز اور شناخت تخلیق کر دی ہیں جو ابھی تک سرحد کے دونوں طرف کی عوامی تاریخ کی تشکیل کر رہی ہیں۔ یہ نفرتیں مختلف فرقوں کے مشترک تنازعات کے دوران صاف ظاہر ہوتی ہیں اور فرقہ وارانہ ٹکراؤ نے ماضی کے ان تشدد کی یادوں کو زندہ رکھا ہے۔ تقسیم ملک کے تشدد کی کہانیوں کو فرقہ وارانہ گروہ مختلف فرقوں کے بیچ فرق کو

بحث کیجیے

اگر آپ نے تقسیم ملک سے متعلق کچھ کہانیں سنی ہیں تو انھیں یاد کیجیے اور غور کیجیے کہ مختلف فرقوں کے متعلق آپ کا تصور کس انداز میں بنا۔ کوشش اور تصور کیجیے کہ مختلف فرقوں کے لوگ ایک ہی کہانی کو کس طرح بیان کریں گے۔

© NCERT not to be republished

اور گہرا کرنے کے لیے، بار بار دہراتے تھے، لوگوں کے ذہنوں میں شک وشبہ اور بے اعتمادی کے جذبات پیدا کرتی ہیں، فرقہ واری دقیانوسی انداز کو مستحکم کرتی ہیں، گہرے طور پر غیر یقینی اس خیال کو کہ ہندو، مسلمان اور سکھ، واضح معین سرحدوں کے ساتھ الگ الگ مذہبی فرقے ہیں اور جن کے مفادات بنیادی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

پاکستان اور ہندوستان کے رشتے تقسیم ملک کی اس وراثت سے گہرے طور پر تشکیل ہوتے ہیں۔ دونوں طرف کے فرقوں کے تصورات ان یادگار اوقات کی متنازعہ یادوں کے ذریعہ تشکیل پاتے ہیں۔

شکل 14.5
لوگ اپنے ساتھ وہی سامان لے کر چلے جس کو وہ اٹھا کر لے جاسکتے تھے۔
اجڑنے کا مطلب ایک گہرے شعور وادراک کا نقصان تھا۔ جہاں وہ نسلوں سے مقیم تھے، اس کے ساتھ ان کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔

3. ملک کی تقسیم کیوں اور کس طرح واقع ہوئی؟ (WHY AND HOW DID PARTITION HAPPEN?)

3.1 ایک طویل تاریخ کا نقطہ معراج؟ (Culminating point of a long history?)

بعض مؤرخین (ہندوستانی اور پاکستانی) دونوں یہ تجویز کرتے ہیں کہ محمد علی جناح کا یہ نظریہ کہ نوآبادیاتی ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ ملتیں ہیں، اس کا عکس عہد وسطی کی تاریخ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ مؤرخین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ 1947 کے واقعات کا پورے عہد وسطی

اور دور جدید میں تنازعات کی طویل تاریخ سے گہرا ربط تھا۔ ایسی کوئی دلیل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ فرقوں کے درمیان تنازعات کی تاریخ پر امن بقائے باہمی کے ساتھ شراکت داری اور باہمی ثقافتی لین دین کی ایک طویل تاریخ ہے۔ یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ بدلتی صورت حال لوگوں کی سوچ کو تشکیل دیتی ہے۔

بعض دانشور تقسیم ملک کو فرقہ وارانہ سیاست کے انجام کے طور پر دیکھتے ہیں جو بیسویں صدی کے اولین دہائیوں میں ارتقاپذیر ہونی شروع ہوئی تھی۔ وہ تجویز کرتے ہیں کہ 1909 میں نوآبادیاتی حکومت کے ذریعہ مسلمانوں کے لیے بنائے گئے جداگانہ انتخابی حلقوں نے جن کی مزید توسیع 1919 میں کی گئی، فرقہ وارانہ سیاست کی نوعیت کو فیصلہ کن شکل دی، جداگانہ انتخابی حلقوں کا مطلب تھا کہ اب مسلمان مقررہ حلقہ رائے دہندگان میں اپنے خود کے نمائندوں کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس نظم نے سیاستدانوں کے لیے تحریص پیدا کی کہ وہ اس نظام میں کام کرتے ہوئے علاحدہ پسند نعروں کا استعمال کریں اور اپنے مذہبی گروہوں کے لیے خاص رعایت تقسیم کرنے کے واسطے لوگوں کو مجتمع کریں۔ اس طرح سے حاصل مذہبی شناخت کا جدید سیاسی نظام کے اندر عملی طور پر استعمال ہونے لگا اور انتخابی سیاست کی منطق، ان شناخت کو زیادہ گہرا اور سخت کرنے لگی، مذہبی شناخت کے مدعائے کلام فرقوں کے درمیان سرگرم مخالفت اور دشمنی کے مقصد سے سامنے آئے۔ تاہم اس دوران ہندوستانی سیاست پر جداگانہ انتخابی حلقوں کا گہرا اثر پڑا۔ ہمیں احتیاط سے کام لیتے ہوئے ان کی اہمیت پر ضرورت سے زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی تقسیم ملک کو ان کی کارکردگی کے منطقی نتیجے کے طور پر دیکھنا چاہیے۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں فرقہ وارانہ شناخت دیگر حالات واسباب کے طفیل بھی مستحکم ہوئی۔ 1920 اور 1930 کی ابتدائی دہائی کے دوران بہت سے قضیے کی وجہ چاروں عوامل ہو رہے تھے، مسلمانوں کو "مسجد کے سامنے موسیقی" گائے تحفظ تحریک اور آریہ سماج کے ذریعہ شدھی یعنی جو لوگ حال میں اسلام میں داخل ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ ہندو بنانا جیسی حرکتوں سے غصہ آتا تھا اور ہندو 1923 کے بعد "تبلیغ" اور "تنظیم" کی وسعت سے غصے میں تھے۔ جوں جوں متوسط طبقے کے پروپیگنڈہ کرنے والے اور فرقہ واری سرگرم کارکن اپنے فرقوں کے اندر لوگوں کو دوسرے فرقوں کے لوگوں کے خلاف منظم کرتے ہوئے، وسیع تر اتحاد استوار کرتے گئے، ویسے ویسے ملک کے مختلف حصوں میں فسادات پھیلتے گئے۔ ہر ایک فرقہ وارانہ فساد نے فرقوں کے درمیان اختلافات گہرے کر دیے اور تشدد کی پریشان کن یادیں پیدا ہوتی گئیں۔

تاہم تقسیم ملک کے ضمن میں فرقہ وارانہ فسادات کو راست طور پر بتدریج ظاہر ہونے والے نتیجے کے طور پر دیکھنا بھی صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ تقسیم ملک پر مبنی فلم "گرم ہوا" کا ہیرو اپنے مکالمے

لکھنؤ سمجھوتہ (The Lucknow Pact)

دسمبر 1916 کا لکھنؤ سمجھوتہ کانگریس اور مسلم لیگ (اتر پردیش میں قائم "ینگ پارٹی" کے ذریعہ کنٹرول) کے درمیان ایک فہم وفراست پر مبنی تھا جس کے ذریعہ کانگریس نے جداگانہ انتخابی حلقوں کو قبول کر لیا تھا۔ اس سمجھوتے نے اعتدال پسندوں انتہا پسندوں اور مسلم لیگ کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرایا تھا۔

آریہ سماج (Arya Samaj)

انیسویں صدی کے آخر اور ابتدائی بیسویں صدی کی ایک شمالی ہندوستانی ہندو اصلاح پسند تنظیم تھی جو خاص طور پر پنجاب میں سرگرم تھی۔ یہ ویدک علوم کی تجدید کر کے اس کو سائنس کی جدید تعلیم کے ساتھ ملانا چاہتی تھی۔

"مسجد کے سامنے موسیقی": کسی مذہبی جلوس کے ذریعہ نماز کے وقت مسجد کے باہر موسیقی کا بجایا جانا، ہندو مسلم تشدد کو بڑھا سکتا تھا۔ راسخ العقیدہ مسلمان اسے اپنی عبادت (خدا کے ساتھ رابطہ) میں ایک طرح کی دخل اندازی کے طور پر دیکھتے تھے۔

© NCERT not to be republished

کے توسط سے کہتا ہے ''فرقہ وارانہ جھگڑے تو 1947 سے قبل بھی ہوتے تھے لیکن یہ کبھی بھی لاکھوں لوگوں کو ان کے گھروں سے اجاڑنے کا سبب نہیں بنے تھے''، تقسیم ملک پہلے کی فرقہ وارانہ سیاست سے صفاتی طور پر ایک مختلف مظہر تھا اور اس تقسیم کو سمجھنے کے لیے ہمیں برطانوی حکومت کی آخری دہائی کے واقعات کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ دیکھنے کی ضرورت ہے۔

فرقہ واریت یا فرقہ پرستی سے کیا مراد ہے؟ (What is communalism?)

ہماری شناخت کے بہت سے پہلو ہیں۔ دوشیزہ ہوں یا نوجوان سب نوجوان لوگ ہیں، آپ قطعی طور پر ہر ایک گاؤں، شہر، ضلع یا ریاست سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک یقینی زبان بولتے ہیں۔ آپ ہندوستانی شہری کے ساتھ ہی عالمی شہری بھی ہیں۔ آمدنی کی سطح ہر ایک خاندان میں مختلف ہوتی ہے، اس بنا پر ہم سب کسی سماجی طبقے یا دیگر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم میں سے زیادہ تر افراد کا کوئی ایک مذہب ہے اور ہماری زندگی میں ''ذات پات'' ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہماری شناخت کی بہت سی خصوصیات ہیں اور وہ پیچیدہ بھی ہیں تاہم مخصوص مواقع پر لوگ اپنی شناخت کے یقینی انتخاب شدہ پہلوؤں جیسے مذہب کو زیادہ اہمیت دینے لگتے ہیں۔ اسے فرقہ واریت کے طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔

فرقہ واریت کو اس سیاست سے منسوب کیا جاتا ہے جو ایک مذہبی شناخت کے اطراف دوسرے فرقہ کی مخالفت میں دشمنی کے لیے متحد ہونا چاہتی ہے۔ یہ مذہبی فرقہ پر مبنی شناخت کو بنیادی اور معین ومنجمد کرنے کے لیے کوشش کرتی ہے۔ یہ اس شناخت کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے فطری طور پر پیش کرتے ہیں، جیسے بالفرض لوگ ایسی شناخت میں پیدا ہوئے ہوں اور جو تاریخ کے مقررہ وقت کے علاوہ گزرتے ہوئے تدریجا بڑھتی نہیں۔ فرقہ واریت کسی بھی فرقہ میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے اس کے اندرونی امتیازات کو دباتی ہے اور دیگر فرقے کے خلاف اپنے فرقے کے ناگزیر اتحاد پر زور دیتی ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ فرقہ واریت ایک شناخت شدہ ''دیگر'' کے لیے نفرت کی سیاست کی پرورش کرتی ہے جیسے مسلم فرقہ واریت کے معاملے میں ہندو ''دیگر''، ہندو فرقہ واریت کے معاملے میں مسلمان ''دیگر'' ہیں یہ تشدد کی سیاست نفرت کو غذا پہنچاتی ہے۔ اس صورت میں فرقہ واریت مذہبی شناخت کی سیاست کاری کی ایک خاص قسم ہے۔

ایک ایسا نظریہ جو مذہبی فرقوں کے درمیان تنازعات کو فروغ دیتا ہے۔ کثیر مذہبی ملک کے تناظر میں ''مذہبی قوم پرستی'' کا محاورہ مماثل معنی حاصل کے لیے لایا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے ملک میں کوئی شخص مذہبی فرقہ کو ایک ملت کے طور پر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ بعض دیگر مذاہب کے خلاف عملی مخالفت کے بیج بو رہا ہے۔ محمد علی جناح برطانوی ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک ملک یا قوم کی طرح دیکھتے تھے اور متمنی تھے کہ مسلمان خود اپنے لیے ایک قومی ریاست حاصل کرلیں۔

3.2 1937 کے صوبائی انتخابات اور کانگریس وزارتیں (The provincial elections of 1937 and the Congress ministries)

پہلی دفعہ 1937 میں صوبائی قانون ساز اداروں کے لیے انتخابات منعقد ہوئے جس کل آبادی کے صرف 10 سے 12 فی صد کے قریب لوگ ہی رائے دہی کے حق سے لطف اندوز ہوسکتے

© NCERT not to be republished

تھے۔ اس الیکشن میں کانگریس نے عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں مکمل اکثریت سے جیت درج کی۔ پھر ان میں سے سات صوبوں میں اپنی حکومت تشکیل دی۔ مسلمانوں کے لیے محفوظ انتخابی حلقوں میں کانگریس کی کارکردگی خراب رہی لیکن مسلم لیگ نے بھی ان حلقوں میں نہایت خراب کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس الیکشن میں ڈالے گئے کل مسلم ووٹوں کا صرف 4.4 فی صد ووٹ ہی مسلم لیگ حاصل کر سکی، شمال مغربی سرحدی صوبے میں کوئی ایک بھی سیٹ جیتنے میں مسلم لیگ ناکام رہی اور پنجاب میں 84 محفوظ انتخابی حلقوں میں سے وہ صرف دو پر قبضہ کر سکی اور سندھ میں 33 میں سے صرف تین ہی سیٹ اس کو مل سکی۔

مسلم لیگ (The Muslim League)

1906 میں بنیادی طور پر مسلم لیگ کا آغاز ڈھاکہ میں ہوا۔ اتر پردیش کے مسلم ممتاز طبقے نے جلد ہی اس کا انتظام سنبھال لیا۔ 1940 کی دہائی میں پارٹی نے برصغیر ہندوپاک کے مسلم اکثریت والے علاقوں کی خودمختاری اور پاکستان کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

متحدہ صوبہ جات میں مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ مل کر حکومت تشکیل دینا چاہتی تھی، چونکہ کانگریس نے اس صوبہ میں مکمل اکثریت سے فتح حاصل کی تھی اس لیے اس نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ بعض دانشوروں کی دلیل ہے کہ اس پیشکش کے ٹھکرائے جانے کے بعد مسلم لیگ کو یہ یقین ہو گیا کہ اگر ہندوستان متحد بنا رہا تو مسلمانوں کے لیے سیاسی طاقت حاصل کرنا ایک مشکل امر ہوگا کیونکہ وہ ہمیشہ اقلیت ہی رہیں گے۔ مسلم لیگ نے یہ مان لیا کہ صرف ایک مسلم پارٹی ہی مسلم مفادات کی نمائندگی کر سکتی ہے اور کانگریس بنیادی طور پر ایک ہندو پارٹی ہے۔ جناح کا اصرار تھا کہ لیگ کو مسلمانوں کے ''واحد ترجمان'' کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، اس وقت معدودے چند ہی لوگ اس بات کے قائل ہو سکے، لیگ اگرچہ متحدہ صوبہ جات، بمبئی اور مدارس میں مقبول تھی لیکن ان تین صوبوں میں بھی سماجی حمایت کے لیے لیگ ابھی تک کمزور بنی ہوئی تھی جن صوبوں کو کاٹ کر دس سال بعد پاکستان بنایا گیا جیسے بنگال، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب۔ حتیٰ کہ لیگ سندھ میں بھی حکومت تشکیل کرنے میں ناکام رہی۔ اس فیصلہ کن مرحلے کے بعد لیگ نے سماجی حمایت کی توسیع کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔

کانگریس وزارتوں نے بھی اس درار کی توسیع میں تعاون دیا۔ متحدہ صوبہ جات میں کانگریس پارٹی نے مخلوط حکومت بنانے کے لیے مسلم لیگ کی تجویز کو مسترد کر دیا کیونکہ مسلم لیگ زمین دارانہ نظام کی حمایت کی طرف مائل نظر آتی تھی جس کو کانگریس ختم کرنے کی خواہشمند تھی۔ اگرچہ پارٹی نے اس سمت میں ابھی تک کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا تھا نہ ہی کانگریس ''مسلم عوامی رابطہ پروگرام کے تحت جس کا اس نے آغاز کیا تھا، کوئی حقیقی فائدہ حاصل کر پائی تھی۔ کانگریس کے سیکولر اور انتہاپسندانہ تحریر وتقریر سے قدامت پسند مسلمان اور زمین دار ممتاز طبقہ تو دہشت زدہ ہو گیا۔ اور مستزاد یہ کہ کانگریس مسلم عوام کی حمایت بھی جیتنے میں ناکام رہی۔ مزید براں، حالانکہ 1930 کی دہائی کے آخر میں، نمایاں کانگریس لیڈران سیکولرزم کی ضرورت کے لیے پہلے سے بھی زیادہ زور دینے

ہندو مہاسبھا (Hindu Mahasabha)

1915 میں قائم ہندو مہاسبھا ایک ہندو پارٹی تھی جو شمالی ہندوستان تک محدود رہی۔ اس پارٹی کا مقصد ہندوؤں میں ذات پات اور فرقہ کے اختلاف سے آگے نکل کر ہندو سماج کو متحد کرنے کی حوصلہ افزائی کرنی تھی۔ ہندو مہاسبھا ہندو شناخت کو مسلم شناخت کی عداوت کے لیے، توضیح کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

© NCERT not to be republished

لگے تھے، لیکن پارٹی نظام مراتب میں ان خیالات سے اتفاق کرنا کوئی معنی نہ رکھتا تھا حتی کہ کانگریس کے وزرا بھی ان خیالات سے اتفاق نہ رکھتے تھے۔ کانگریس کے ایک اہم رکن مولانا آزاد نے 1937 میں اس بات کی نشاندہی کی کہ کانگریس کے ممبران کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے اس کے باوجود کم از کم مرکزی صوبہ جات (موجودہ مدھیہ پردیش) میں کانگریس ممبران ہندو مہا سبھا میں کافی سرگرم ہیں۔ 1938 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے یہ اعلان کیا کہ کانگریس کے ممبران ہندو مہا سبھا کے ممبر نہیں بن سکتے۔ اتفاقاً یہ وہی زمانہ ہے جب ہندو مہا سبھا اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کی طاقت بڑھ رہی تھی، 1930 کی دہائی میں آر ایس ایس اپنے نقطۂ آغاز ناگپور سے بڑھتے ہوئے متحدہ صوبہ جات، پنجاب اور ملک کے دیگر علاقوں تک پھیل گئے۔ 1940 تک آر ایس ایس کے پاس ہندو قوم پرستی کے نظریہ کے تئیں عہد یافتہ اور انتہائی نظم وضبط و ترتیب یافتہ بنیادی جتھے کے کارکنان کی تعداد 1,00,000 سے بھی زائد تھی، انھیں یقین تھا کہ ہندوستان ہندوؤں کی زمین ہے۔

وفاق — جدید سیاسی زبان میں یہ اصطلاح معقول، خودمختار اور مقتدر ریاستوں کے اتحاد (یونین) مرکزی حکومت کے ساتھ مع متعین طاقت کی طرف رجوع کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

3.3 ''پاکستان'' کے لیے قرارداد

(The "Pakistan" Resolution)

پاکستان کے قیام کا مطالبہ بتدریج واضح شکل میں سامنے آیا۔ 23 مارچ 1940 کو مسلم لیگ نے برصغیر کے مسلم اکثریت والے علاقوں کے لیے مقررہ حد تک خودمختاری کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک قرارداد پیش کی۔ اس مبہم سی قرارداد میں کہیں بھی تقسیم ملک یا پاکستان کا ذکر نہیں تھا۔ فی الحقیقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور یونینسٹ پارٹی (Unionist Party) کے لیڈر سکندر حیات خان نے جنھوں نے اس قرارداد کا مسودہ تیار کیا تھا یکم مارچ 1941 کو پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ ایسے پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت کرتے ہیں جس کا مطلب یہاں مسلم راج اور کسی ایک جگہ ہندو راج ہوگا............ اگر پاکستان کا مطلب پنجاب میں خالص مسلم راج قائم ہونے والا ہے تو پھر میں اس کے لیے کچھ نہیں کروں گا۔'' انھوں نے وفاقی اکائیوں کے لیے مناسب خودمختاری کے ساتھ متحدہ وفاق کے لیے اپنی دلیل کو دہرایا۔

پاکستان کے مطالبے کی اصل کو ماضی میں اردو کے شاعر محمد اقبال کے یہاں سے تلاش کیا جاسکتا ہے جنھوں نے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' ترانہ لکھا۔ 1930 میں مسلم لیگ کے اجلاس کا صدارتی خطبہ دیتے ہوئے محمد اقبال نے ''شمال مغربی ہند مسلم ریاست کے لیے ضرورت'' پر زور دیا تاہم اقبال نے اس تقریر میں ایک نئے ملک کے ظہور کو متصور نہیں کیا بلکہ شمال

پاکستان کا نام

(The name "Pakistan")

پاکستان یا **پاک۔ستان** (پنجاب، افغانستان، کشمیر، سندھ اور بلوچستان) نام کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پنجابی مسلمان طالب علم چودھری رحمت علی نے 1933 اور 1935 میں لکھے اپنے دو مقالوں میں وضع کیا تھا۔ وہ اس نئی انفرادیت (ریاست) کے لیے ایک علاحدہ قومی درجے کے خواہش مند تھے۔ 1930 کی دہائی میں کسی نے رحمت علی کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ اور دیگر مسلم لیڈران نے بھی اس کے خیالات کو صرف ایک طالب علم کا خواب سمجھ کر خارج کر دیا۔

ماخذ 4

1940 کی مسلم لیگ کی قرارداد
(The Muslim League resolution of 1940)

مسلم لیگ کی 1940 کی قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ:
جغرافیائی طور پر ملحق اکائیوں کو علاقوں کی شکل میں نشان زد کیا جائے جن کی تشکیل ضرورت کے لحاظ سے ایسے علاقوں کی نئی صورت سے کی جائے کہ ان علاقوں کے جو شمال مغربی اور مشرقی حلقوں میں مسلمان تعداد میں اکثریت میں ہوں ان کو اکٹھا کر کے ایک ''آزاد ریاست'' تشکیل دے دی جائے جس میں شریک اکائیاں خودمختار اور مقتدر ہوں گی۔

مسلم لیگ کس بات کا مطالبہ کر رہی تھی؟
کیا وہ ایسے پاکستان کا مطالبہ کر رہی تھی جس پاکستان کو آج ہم جانتے ہیں؟

مغربی ہند میں مسلم اکثریت والے علاقوں کو ایک متحد، بندش سے آزاد ہندوستانی وفاق کے اندر ایک خودمختار اکائی کے طور پر تسلیم کرنے کی بات کی۔

3.4 تقسیم ہند کا اچانک ہونا
(The suddenness of Partition)

ہم دیکھ چکے ہیں کہ 1940 میں مسلم لیگ بذات خود اپنے مطالبے کے بارے میں ابہام کا شکار تھی۔ برصغیر کے مسلم اکثریت والے علاقوں کے لیے خودمختاری کے مطالبے اور تقسیم ملک کے لیے پہلے رسمی واضح عمل کے درمیان بہت ہی کم وقت تھا— صرف سات سال۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ پاکستان کی تخلیق کا کیا مطلب ہے اور اس سے مستقبل میں لوگوں کی زندگی کیسی ہوگی۔ 1942 میں اپنی آبائی سرزمین (وطن) سے ہجرت کرنے والے بہت سے افراد کو لگتا تھا کہ جوں ہی امن بحال ہوگا وہ لوگ واپس لوٹ آئیں گے۔

حتیٰ کہ شروع میں مسلم لیڈران نے بھی ایک خودمختار ریاست پاکستان کے لیے سنجیدگی سے مطالبہ نہیں کیا۔ ابتدا میں شاید جناح خود بھی پاکستان کے تصور کو سودے بازی کی ایک جوابی کاروائی کے طور پر ہی استعمال کر رہے تھے جس کو وہ انگریزی حکومت کے ذریعہ کانگریس کو ملنے والی رعایتوں پر ممکنہ روک لگانے اور مسلمانوں کے لیے اضافی خاص رعایت حاصل کرنے کے لیے فائدہ مند سمجھتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دباؤ کے سبب انگریزوں نے محدود وقت کے لیے آزادی کی رسمی بات چیت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا تاہم یہ زبردست ہندوستان چھوڑو تحریک ہی تھی جو 1942 میں شروع ہوئی تھی اور شدید استیصال کے باوجود قائم تھی جس نے انگریز راج کو گھٹنوں کے بل لا کھڑا کیا اور برطانوی افسران کو ممکنہ اقتدار کی منتقلی کے بارے میں ہندوستانی پارٹیوں کے ساتھ بات چیت شروع کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

3.5 مابعد جنگ واقعات (Post-War developments)

1945 میں بات چیت کا سلسلہ پھر سے شروع ہوا تو مکمل آزادی کی طرف بنیادی قدم کے طور پر انگریز ایک مکمل مرکزی ایکزیکیٹو کونسل بنائے جانے کے لیے راضی ہو گئے جس میں وائسرائے اور مسلح افواج کے کمانڈران ان چیف کے علاوہ ہندوستانی ممبران ہوں گے۔ اقتدار کی منتقلی کے متعلق بات چیت کا یہ سلسلہ جناح کے اڑیل مطالبے کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایکزیکیٹو کونسل کے تمام مسلم ممبران کو منتخب کرنے کا مطلق حق مسلم لیگ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے اور وہ کونسل میں فرقہ وارانہ قسم کا ویٹو بھی چاہتے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مسلم ممبران کے ذریعہ کسی فیصلے

شکل 14.6
نومبر 1939 میں وائسرائے کے ساتھ ایک میٹنگ سے قبل گاندھی جی کے ساتھ محمد علی جناح

کی مخالفت کی صورت میں اس فیصلہ کا نفاذ دوتہائی اکثریت سے ہی ہونا چاہیے۔ اس زمانے کی سیاسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے لیگ کا پہلا مطالبہ قوم پرست مسلمانوں کے ایک بڑے حصے کے لیے جو کانگریس کی حمایت کرتا تھا (بات چیت کے سلسلے میں اس طبقہ کے وفد کی نمائندگی مولانا آزاد کررہے تھے) مکمل طور پر غیر معمولی تھا اور مغربی پنجاب میں یونینسٹ پارٹی (Unionist Party) کے ممبران بھی زیادہ تر مسلمان تھے۔ انگریزوں کا مقصد یونینسٹ کو ناراض کرنا نہیں تھا جو ابھی تک پنجاب حکومت پر اختیار رکھتے تھے اور مسلسل انگریزوں کے وفادار رہے تھے۔

1946 میں دوبارہ صوبائی الیکشن منعقد ہوئے۔ عام انتخابی حلقوں میں کانگریس نے دوسری پارٹیوں کا صفایا کردیا اور غیر مسلموں کے 91.3 فی صد ووٹوں پر قبضہ کرلیا۔ مسلمانوں کے لیے محفوظ سیٹوں پر مسلم لیگ کو بھی ایسی ہی مساوی اور قابل دید کامیابی ملی۔ اس نے مرکزی صوبہ جات میں تمام 30 محفوظ انتخابی حلقوں میں کل مسلم ووٹوں میں سے 86.6 فی صد کے ساتھ کامیابی حاصل کی اور صوبوں کی کل 509 سیٹوں میں 442 سیٹ اسے حاصل ہوئیں تاہم

یونینسٹ پارٹی (Unionist Party)

یہ پنجاب میں ہندو، مسلم اور سکھ زمین داروں کے مفادات کی نمائندگی کرنے والی سیاسی پارٹی تھی۔ جو 27-1923 کے درمیان خاص طور پر کافی طاقتور تھی۔

© NCERT not to be republished

صرف 1946 کے آخر میں جا کر مسلم لیگ خود کو مسلم رائے دہندگان کے درمیان ایک نہایت ذی اثر پارٹی کے طور پر ثابت کر سکی۔ اب جا کر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ''واحد ترجمان'' ہونے کا دعویٰ ثابت کر پائی۔ تاہم واضح رہے کہ انتخاب میں رائے دہی کا حق بہت محدود تھا۔ صوبائی الیکشن میں آبادی کا تقریباً 12-10 فی صد حصہ ہی ووٹ ڈالنے کے حق سے محظوظ ہوتا تھا۔ مرکزی اسمبلی کے لیے انتخابات میں تو صرف ایک فی صد لوگوں کو ہی رائے دہی کا حق حاصل تھا۔

3.6 تقسیم ملک کا ایک ممکنہ متبادل

(A possible alternative to Partition)

مارچ 1946 میں برطانوی کابینہ نے تین ممبران پر مشتمل ایک وفد مسلم لیگ کے مطالبہ کی جانچ کرنے اور آزاد ہندوستان کے لیے مناسب سیاسی خدوخال تجویز کرنے کے لیے دہلی کے لیے روانہ کیا۔ کابینہ مشن نے تین ماہ کا ہندوستان کا دورہ کیا اور ایک مبہم سے تین سطح والے وفاق کی سفارش کی، جس میں ہندوستان متحد بنا رہتا اس میں مرکزی حکومت کافی کمزور ہوتی اور اس کے پاس صرف غیر ملکی امور، دفاع اور ابلاغ پر اختیار ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی قانون ساز اسمبلی کا انتخاب کرتے ہوئے موجودہ علاقائی اسمبلیوں کو تین حصوں میں گروہ بند کیا جانا تھا۔ 'a' ہندو اکثریت والے صوبہ جات اور 'b' 'c' شمال مغربی اور شمال مشرقی (بشمول آسام) مسلم اکثریت والے صوبہ جات بالترتیب گروہ بند کیے گئے تھے صوبہ جات کے ان حصوں یا گروہ کو مل کر مختلف علاقائی اکائیاں تشکیل دینی تھیں۔ ثالثی سطح پر اقتدار کے لیے قائم انتظامی اور قانون ساز ادارے ان کے اپنے پاس ہی رہتے۔

علاحدگی (Secede) کے معنی کسی انجمن یا تنظیم سے رسمی طور پر علاحدگی کے ہیں۔

شکل 14.7
اکتوبر 1938 میں شمال مغربی سرحدی صوبہ میں گاندھی جی، خان عبد الغفار خان (جو سرحدی گاندھی کے نام سے معروف ہیں) موشیلا نائر اور امۃ السلیم کے ساتھ

شروعات میں تمام اہم پارٹیوں نے اس منصوبہ کو قبول کر لیا۔ لیکن یہ سمجھوتہ جزوقتی ثابت ہوا کیونکہ یہ منصوبے کی ترجمانی کی باہمی مخالفت پر مبنی تھا۔ مسلم لیگ چاہتی تھی کہ صوبہ جات کی گروہ بندی حصہ 'b' اور 'c' ارتقا پذیر انفرادیت کے ساتھ، لازمی ہوں اس کے ساتھ ہی مستقبل میں اتحاد (Union) سے علاحدگی کا حق بھی ہونا چاہیے۔ کانگریس چاہتی تھی کہ صوبہ جات کو کسی بھی گروپ میں شرکت کرنے کا حق ملے۔ کانگریس کیبنٹ مشن کی اس وضاحت کے ساتھ بھی مطمئن نہ تھی کہ پہلے یہ گروہ بندی لازمی ہوگی لیکن ایک دفعہ آئین بن جانے کے بعد صوبوں

© NCERT not to be republished

نقشہ 1
تین حصوں کے ساتھ ایک ہندوستانی وفاق کے
لیے کیبنٹ مشن کی تجویز

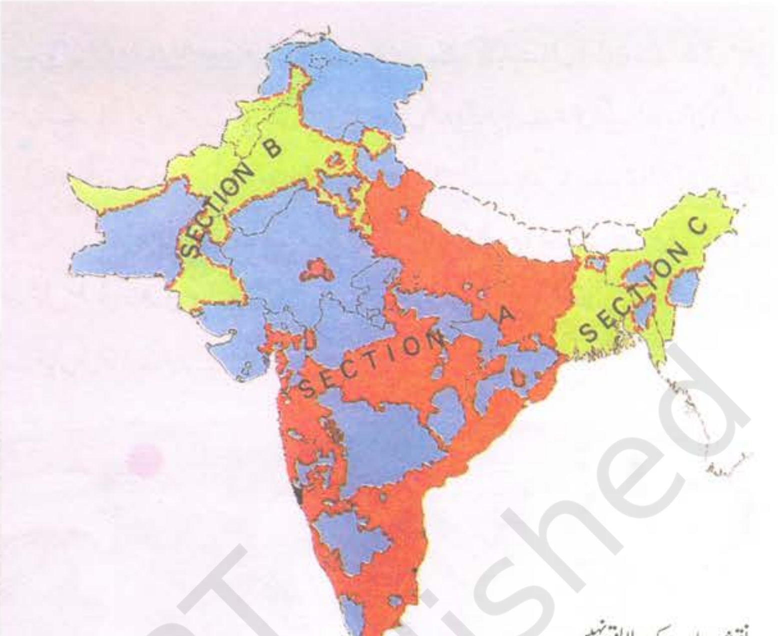

نقشہ پیمانہ کے مطابق نہیں ہے

- 1941 کے مسلم اکثریت والے علاقے
- 1941 کے ہندو اکثریت والے علاقے
- شاہی ریاستیں، جن کے متعلق اس تجویز میں خاص طور پر کوئی انتظام نہ تھا۔

ماخذ5

''بیاباں میں ایک آواز''("A voice in the wilderness")

گاندھی جی جانتے تھے کہ ان کی حالت ''بیاباں میں ایک آواز'' ہے لیکن پھر بھی وہ مسلسل تقسیم ملک کے تصور کی مخالفت کرتے رہے:

لیکن آج ہم کیسا المیہ دیکھ رہے ہیں۔ میں پھر بھی وہ دن دیکھنا چاہوں گا جب ہندو اور مسلمان باہمی صلاح ومشورہ کے بنا کوئی کام نہیں کریں گے۔ میں دن اور رات اس سوال کے لیے سخت ذہنی اذیت میں مبتلا ہوں کہ آنے والے اس دن کو سلام کرنے کے لیے میں کیا کرسکتا ہوں۔ میں لیگ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کسی بھی ہندوستانی کو اپنا دشمن ملحوظ نہ رکھے...... ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہی مٹی کی پیداوار ہیں، دونوں کا خون ایک ہے، ایک جیسا کھانا کھاتے ہیں، ایک جیسا پانی پیتے ہیں اور ایک جیسی زبان بولتے ہیں۔

پرارتھنا سبھا کی تقریر، 7 ستمبر 1946
کلیکٹڈ ورکس آف مہاتما گاندھی، جلد 92، صفحہ 139

لیکن میرا پختہ یقین ہے کہ مسلم لیگ کے ذریعہ جس پاکستان کا مطالبہ اٹھایا گیا ہے وہ غیر اسلامی ہے اور مجھے اس کو ناجائز کہنے میں کسی طرح کی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔ اسلام انسانی اتحاد اور بھائی چارے کی نمائندگی کرتا ہے نہ کہ اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی۔ تاہم جو لوگ ہندوستان کو ممکنہ خطرے کی علامت کے طور پر حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں وہ اسلام اور ہندوستان کے دشمنوں کی طرح ہیں۔ وہ چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کردیں لیکن وہ مجھ کو ایسی کسی تجویز پر متفق نہیں کرسکتے جس کو میں غلط سمجھتا ہوں۔

ہریجن، 26 ستمبر 1646
کلیکٹڈ ورکس آف مہاتما گاندھی، جلد 92، صفحہ 229

پاکستان کے تصور کی مخالفت کرنے کے لیے گاندھی جی نے کیا دلائل پیش کیے تھے؟

کے پاس گروہ سے علاحدہ ہونے کا حق ہوگا اور نئے انتخابات اس آئین کے مطابق منعقد ہوں گے۔ بالآخر اس طرح کیبنٹ مشن کے ان پیش کردہ تجاویز سے نہ ہی لیگ اور نہ ہی کانگریس متفق ہو پائی۔ یہ ایک انتہائی فیصلہ کن مرحلہ تھا کیونکہ ''اس'' کے بعد تقسیم ملک کم وبیش ناگزیر تھی۔ کانگریس کے زیادہ تر لیڈر اس کو ایک المیہ لیکن ناقابل مفر کے طور پر دیکھ رہے تھے۔ صرف گاندھی جی اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے لیڈر خان عبدالغفار خان مستقل استقلال کے ساتھ تقسیم ملک کے خیال کی مخالفت کر رہے تھے۔

شکل 14.8
کلکتہ کی سڑکوں پر فسادی لوہے کے چھڑوں اور ڈنڈوں سے لیس، 1946

3.7 تقسیم ملک کی طرف (Towards Partition)

کیبنٹ مشن منصوبے سے اپنی حمایت واپس لینے کے بعد مسلم لیگ نے اپنے پاکستان کے مطالبے کی حمایت جیتنے کے لیے ''راست کارروائی'' (Direct Action) کرنے کا فیصلہ کیا۔ 16 اگست 1946 کے دن کو اس نے ''یوم راست کارروائی'' (Direct Action Day) کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔ اسی دن کلکتہ میں فسادات بھڑک اٹھے جو کئی دن تک جاری رہے اور ان میں ہزاروں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مارچ 1947 تک، شمالی ہند کے بہت سے حصوں میں تشدد پھیل گیا تھا۔

مارچ 1947 میں کانگریس اعلیٰ کمان نے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے ووٹ دیا۔ ایک مسلم اکثریت کے ساتھ اور دوسرا ہندو، سکھ اکثریت کے ساتھ اور کانگریس نے بنگال کے معاملے میں بھی یہی اصول اپنانے کا مشورہ دیا۔ اس وقت تک تعداد و شمار کا کھیل دیکھتے ہوئے پنجاب کے بہت سارے سکھ لیڈران اور کانگریسی اس بات کے قائل ہو چکے تھے کہ اب تقسیم ملک ایک لازمی ناخوشگوار عمل ہے ورنہ وہ مسلمان اکثریت کے ذریعہ محصور ہو جائیں گے اور انھیں مسلمان لیڈران کے ذریعہ نافذ کردہ شرائط کے تحت رہنا ہوگا۔ بنگال میں بھی ''محدود لوگ'' بنگالی ہندوؤں کا جو طبقہ سیاسی اقتدار کو اپنے ہاتھ میں بنائے رکھنا چاہتا تھا وہ بھی ''مسلمانوں کی مستقل سرپرستی'' (جیسا کہ ان کے ایک لیڈر نے یہی کہا تھا) کے خوف میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے۔ چونکہ وہ تعداد و شمار کے لحاظ سے اقلیت میں تھے اس لیے انھیں محسوس ہوتا تھا کہ صرف صوبہ کی تقسیم ہی ان کے سیاسی غلبہ کو یقینی بنا سکتی ہے۔

بحث کیجیے.........

حصہ سوم پڑھنے کے بعد بظاہر یہ لگتا ہے کہ پاکستان بننے کے لیے کئی اسباب تھے۔ آپ کے خیال میں ان میں سے کون سب سے زیادہ اہم تھا اور کیوں؟

4. قانون اور انتظام کا ناکام ہونا
(The Withdrawal of Law and Order)

شکل 14.9
1946 کے خون سے شرابور مہینوں کے دوران تشدد اور آگ زنی میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔

مارچ 1947 سے تقریباً ایک سال تک قتل عام جاری رہا۔ اس کا اہم سبب یہ تھا کہ حکمرانی کے ادارے منہدم ہو چکے تھے۔ اس وقت بہاول پور (موجودہ پاکستان) میں تعینات ایک انتظامی افسر پنڈریل مون (Penderal Moon) نے اس ضمن میں لکھا تھا جب مارچ 1947 میں امرتسر میں آگ زنی اور مار کاٹ جاری تھی تو پولس کس طرح گولی چلانے میں ناکام رہی تھی۔

© NCERT not to be republished

امرتسر ضلع سال کے آخر میں آ کر خوں افشانی کا منظر بن گیا تھا جب وہاں شہر میں مختار کاری (Authority) کا مکمل سقوط ہو چکا تھا۔ برطانوی افسران نہیں جانتے تھے کہ صورت حال کو کیسے قابو میں کیا جائے۔ وہ کسی قسم کا فیصلہ لینے کے بھی خواہش مند نہ تھے اور دخل اندازی کرنے کے لیے تذبذب کا شکار تھے۔ دہشت زدہ لوگوں نے جب مدد کے لیے اپیل کی تو برطانوی افسران نے انھیں گاندھی جی، جواہر لعل نہرو، ولبھ بھائی پٹیل یا محمد علی جناح سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کہا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ مختار کاری اور اقتدار کس کے ہاتھ میں ہوگا سوائے گاندھی جی کے ہندوستانی پارٹیوں کے اعلیٰ لیڈران آزادی کے سلسلے میں جاری بات چیت میں مشغول تھے جب کہ متاثرہ صوبوں میں بہت سے ہندوستانی سول افسران خود اپنی جان و مال کے سلسلے میں خوفزدہ تھے اور انگریز ہندوستان چھوڑنے کی تیاری میں مصروف تھے۔

مشکل اس لیے اور زیادہ بڑھ گئی کیونکہ ہندوستانی فوجی جوان اور پولس والے بھی ایک ہندو مسلم اور سکھ کے حساب سے کام کرنے لگے تھے۔ جوں جوں فرقہ وارانہ تناؤ بڑھتا گیا ویسے ویسے وردی پوش افراد کے پیشہ ورانہ عہد پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بیشتر مقامات پر نہ صرف پولس والوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں کی مدد کی بلکہ انھوں نے دوسرے مذہبی طبقوں پر بھی حملے کیے۔

ماخذ 6

''ایک گولی چلائے بغیر''
("Without a shot being fired")

یہ وہ ہے جو مون نے لکھا:

24 گھنٹے سے بھی زیادہ وقت تک فسادی مجمع کو اس عظیم تجارتی شہر میں بغیر چیلنج کیے قیامت خیزی کی اجازت دی گئی۔ بہترین بازاروں کا جلا کر راکھ کر دیا گیا اور آگ لگانے نیز فتنہ انگیزی کرنے والوں کو منتشر کرنے کے لیے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی (یعنی جو لوگ شورش کرنے میں ملوث تھے)...... ضلع مجسٹریٹ نے اپنی (بڑی پولس) طاقت کو شہر میں مارچ کرنے کا حکم دیا اور اس طاقت کا کوئی موثر استعمال کیے بنا واپس بلا لیا......

4.1 ایک تنہا فوج (The one-man army)

اس ساری افراتفری کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی بحال کرنے کے لیے ایک شخص کی بہادرانہ کوششوں کا نتیجہ سامنے آنے لگا۔ 77 سالہ گاندھی جی نے اپنے تا حیات عدم تشدد کے اصول کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤں پر لگانے کا فیصلہ کیا۔ ان کا یہ فیصلہ اس یقین پر مبنی تھا کہ لوگوں کے دلوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ وہ مشرقی بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) کے نوآ کھالی گاؤں سے بہار کے گاؤں میں اور پھر کلکتہ اور دہلی کی فساد زدہ پسماندہ بستیوں کے سفر پر نکل پڑے۔ ہر جگہ انھوں نے خبر گیری کرتے ہوئے اقلیتی طبقے کو یقین دہانی کرائی۔ اکتوبر 1946 مشرقی بنگال میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو نشانہ بنایا۔ گاندھی جی نے علاقے کا دورہ کیا، پیدل گاؤں گاؤں میں گئے اور مقامی مسلمانوں کو باور کرایا کہ وہ ہندوؤں کے تحفظ کی ضمانت دیں۔ اسی طرح دیگر مقامات جیسے دہلی میں انھوں نے دونوں فرقوں کے درمیان باہمی بھروسہ اور یقین و اعتماد کا حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حالات سے مجبور ہو کر جان بچانے کے لیے بھاگ کر پرانے قلعہ کے گندے اور اژدھام بھرے پناہ گزین کیمپ میں پناہ لینے والے شاہد احمد دہلوی نامی دہلی کے

© NCERT not to be republished

شکل 14.10
نواکھالی گاؤں کے لوگ گاندھی جی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے پرامید گاؤں والوں کا مجمع بھیڑ

ایک مسلمان نے 9 ستمبر 1947 کو ان کے دہلی پہنچنے کو ''خصوصی طور پر طویل اور سخت گرمی کے بعد بارش کی آمد'' سے مربوط کیا تھا۔ شاہد احمد دہلوی نے اپنی خود نوشت میں یادداشت تازہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کس طرح مسلمان ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ''اب دہلی محفوظ ہو جائے گی۔''

28 نومبر 1947 کو گرونانک کے یوم پیدائش پر جب گاندھی جی گردوارہ سیس گنج میں سکھوں کے ایک جلسے کو خطاب کرنے گئے تو انھوں نے مشاہدہ کیا کہ پرانی دہلی کا دل کہے جانے والے چاندنی چوک کی سڑک پر ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ اسی شام اپنی تقریر کے دوران انھوں نے کہا کہ ''ہمارے لیے اس سے زیادہ شرم کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ فی الحقیقت چاندنی چوک میں ایک بھی مسلمان نہیں مل سکا؟'' گاندھی جی دہلی میں مسلسل اس ذہنیت کے خلاف لڑتے رہے جو ہر مسلمان کو ایک پاکستانی کی حیثیت سے دیکھتے ہوئے شہر سے باہر دھکیلنے کے لیے خواہشمند تھی۔

جب انھوں نے لوگوں کے دلوں کو بدلنے کے لیے اَن شن (برت) شروع کیا تو حیرت انگیز طور پر بہت سے ہندو اور سکھ مہاجرین نے بھی اس میں ان کا ساتھ دیا۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ اس کا اثر ''بجلی'' کی طرح تھا۔ لوگوں نے شہر کے مسلمانوں کی منظّم نسل کشی کی احمقانہ حرکت کی جس کے لیے وہ آزاد چھوڑ دیے گئے تھے حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ تشدد کا یہ خطرناک ڈرامہ بالآخر گاندھی جی کی شہادت کے ساتھ ختم ہوا۔ دہلی کے بہت سے مسلمانوں نے بعد میں یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا ''دنیا صحیح معنی میں بدل گئی تھی۔''

شکل 14.11
فساد زدہ گاؤں کے لوگ گاندھی جی کی آمد کا انتظار کرتے ہوئے

5. تقسیم ملک میں خواتین (GENDERING PARTITION)

5.1 عورتوں کی ''بازیابی'' ("Recovering" women)

گذشتہ ڈیڑھ دہائی سے مؤرخین تقسیم کے دوران عام لوگوں کے تجربات کی جانچ کر رہے ہیں۔ اس تشدد کے دور میں عورتوں کے دہشت خیز تجربات کے متعلق دانشوروں نے بہت لکھا ہے۔ عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا، اغوا کیا گیا، اکثر بار بار فروخت کیا گیا، انجان حالات میں اجنبی لوگوں کے ساتھ نئی زندگی بسر کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ جس گہرے جذباتی صدمے کو انھوں نے برداشت کیا اس میں بعض خواتین نے بدلے ہوئے حالات میں اپنے نئے خاندانی رشتوں کو بہتر بنایا۔ لیکن ہندو پاک حکومتیں انسانی رشتوں کی پیچیدگی کے لطیف احساسات سے عاری۔ جو عورتیں سرحد کے غلط طرف چلی گئی تھیں انھیں ان کے نئے رشتہ داروں سے یہ مانتے ہوئے چھین لیا کہ انھیں ان کے قدیم اہل خانہ یا جگہوں پر واپس بھیج دیا جائے گا۔ اس بابت متعلقہ عورتوں سے مشورہ نہیں کیا گیا، اپنی زندگی سے متعلق فیصلہ لینے کے ان کے حق کو نظر انداز کیا گیا۔ ایک تخمینہ کے مطابق ایک مہم میں کل ملا کر 30,000 خواتین کی ''بازیابی'' کی گئی۔ ان میں سے 22,000 مسلم خواتین کی ہندوستان سے اور 8,000 ہندو اور سکھ خواتین کی پاکستان سے بازیابی کی گئی۔ یہ مہم 1954 کے آخر میں جا کر ختم ہوئی۔

بحث کیجیے

امن قائم کرنے کے لیے انگریزوں نے جب وہ ہندوستان چھوڑ کر جا رہے تھے، کیا اقدام کیے؟ اور گاندھی جی نے اس پریشان کن وقت میں کیا کیا تھا؟

© NCERT not to be republished

شکل 14.12
اپنے خاندان کے افراد کی موت کی خبر سن کر عورتیں ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے۔
فسادات کے تشدد میں مرد کافی بڑی تعداد میں مارے گئے تھے۔

ماخذ 7

عورتوں کی ''بازیابی'' کے کیا معنی تھے
(What "recovering" women meant)

کاش ٹنڈن نے اپنی کتاب ''پنجابی سینچوری'' (Punjabi Century) میں جو نوآبادیاتی پنجاب کی ایک خودنوشتہ سماجی تاریخ ہے ایک جوڑے کے تجربات کی دوبارہ پڑتال کی ہے:

ایک معاملہ میں تقسیم ملک کے دوران ایک سکھ نوجوان نے قتل عام پر آمادہ مجمع کو قائل کر کے ایک نوجوان، خوبصورت مسلم لڑکی کو جو دہشت زدہ ہو کر بھاگ رہی تھی اس مجمع سے اپنے لیے لے لیا۔ ان دونوں نے شادی کر لی اور ایک دوسرے سے پیار کرنے لگے۔ بتدریج لڑکی کے ذہن سے اس کے والدین جو اس دوران مارے گئے تھے اور گذشتہ زندگی کی یادیں دھندلی ہونے لگیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش تھے اور ان کا ایک بیٹا بھی ہوا تھا تاہم جلد ہی اغوا ہوئی عورتوں کی بازیابی کے لیے مستقل مزاجی سے لگے ہوئے سماجی کارکن اور پولس والوں نے جوڑے کو پکڑنے کے لیے تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اس سکھ کے آبائی ضلع جالندھر میں تحقیقات کی۔ اسے اس تحقیقات کی بھنک مل گئی اور وہ اہل خانہ کے ساتھ کلکتہ بھاگ گیا۔ سماجی کارکن کلکتہ پہنچے۔ اس دوران جوڑے کے دوست واحباب نے کورٹ سے ان کی گرفتاری روکنے کا حکم نامہ (Stay Order) حاصل کرنے کی کوشش کی جبکہ قانون اپنے بوجھل قدموں سے چل رہا تھا۔ کلکتہ سے یہ جوڑا اس امید کے ساتھ پنجاب کے کسی غیر معروف گاؤں کی طرف بھاگ گیا کہ پولس ان کی پرچھائیں بھی پانے میں ناکام رہے گی، لیکن پولس نے انھیں پکڑ ہی لیا اور ان سے تفتیش شروع کر دی۔ اس کی بیوی پھر سے حاملہ تھی اور اب بچے کی پیدائش کا وقت قریب تھا۔ سکھ نے اپنے چھوٹے لڑکے کو تو اپنی ماں کے پاس بھیج دیا اور اپنی بیوی کو ایک گنے کے کھیت میں لے گیا۔ یہاں ایک گڈھے میں اس نے اپنی بیوی کو ممکنہ آرام کے ساتھ بٹھا دیا جب کہ وہ خود پولس کا انتظار کرتے ہوئے ایک بندوق کے ساتھ لیٹ گیا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ جب تک وہ زندہ ہے اپنی بیوی کو خود سے الگ نہ ہونے دے گا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اس گڈھے میں اپنی بیوی کا بچہ تولد کرایا۔ اگلے دن اس کی بیوی کو تیز بخار آ گیا اور تین دن کے اندر وہ مرگئی۔ وہ اپنی بیوی کو اسپتال لے جانے کی ہمت نہ کر سکا کیونکہ وہ بہت زیادہ ڈرا ہوا تھا کہ کہیں سماجی کارکنان اور پولس والے اسے اسے چھین نہ لیں۔

5.2 ''عزت'' کی حفاظت (Preserving "honour")

دانشوروں نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اس جسمانی اور نفسیاتی خوف کے دور میں فرقہ اور طبقہ کی عزت کی حفاظت کا تصور کس طرح کا کردار ادا کر رہا تھا۔ عزت کا یہ خیال تذکیر کے تصور سے اخذ کیا گیا تھا جو زن (عورت) اور زمین کی ملکیت سے متعین ہوتا ہے۔ شمالی ہند کے زرعی سماجوں

© NCERT not to be republished

میں یہ ایک خاصا تصور ہے۔ یہ مانا جاتا تھا کہ کسی کی مردانگی، بیرونی لوگوں سے مناسب انداز میں اپنی ملکیت — زن اور زمین — کے تحفظ کرنے کی صلاحیت میں مضمر تھی۔ کسی حد تک اکثر آویزش ان دو بنیادی ''ملکیت'' کے اوپر ہی واقع ہوتی تھی۔ حسب ضرورت اکثر عورتیں ویسی ہی اقدار کو اندرونی بنالیتی تھیں۔

تاہم گاہے گاہے جب مردوں کو یہ خوف ہوتا تھا کہ ''ان کی'' خواتین — بیویاں، لڑکیاں بہنیں — کا ''دشمن'' کے ذریعہ تقدس پامال ہو جائے گا تو وہ بذات خود عورتوں کو مار دیا کرتے تھے۔ اُروشی بوٹالیا نے اپنی کتاب ''دی ادر سائڈ آف سائلنس'' (The Other Side of Silence) میں ضلع راولپنڈی کے تھوآ خالصہ گاؤں کے ایک ایسے ہی لرزہ خیز واقعہ کو بیان کیا ہے۔ تقسیم ملک کے زمانے میں سکھوں کے اس گاؤں میں 90 عورتوں نے ''دشمن'' کے ہاتھوں میں پڑنے کے بجائے ''اپنی مرضی سے'' کنوئیں میں کود کر جان دے دی۔ اس گاؤں سے آئے ہوئے مہاجرین پناہ گزیں ابھی تک دہلی کے ایک گردوارے میں اس واقعہ کو تقریب کے ذریعہ کو یاد کرتے ہیں۔ وہ ان اموات کو خودکشی نہیں بلکہ شہادت سمجھتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ اس زمانے کے مردوں نے عورتوں کے فیصلے کو بہادری کے ساتھ قبول کیا تھا۔ حتیٰ کہ بعض معاملوں میں انھوں نے عورتوں کو خود اپنی جان لینے کے لیے قائل بھی کیا۔ ہر سال 13 مارچ کو جب ان کی ''شہادت'' پر مذہبی رسومات انجام دی جاتی ہیں تو اس واقعہ کو سامعین مرد و خواتین اور بچوں کے سامنے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بہنوں کی قربانی اور بہادری کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھیں اور خود کو ایسے ہی سانچے میں ڈھالیں۔

یادآوری کی رسم طبقے کے افراد کے لیے ان یادوں کو زندہ رکھنے میں مدد دیتی ہے تاہم اس طرح کی رسوم میں ان عورتوں کو یاد کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی جو اس طرح مرنے کی خواہش مند نہ تھیں اور جنھوں نے اپنی مرضی کے خلاف اپنی زندگیوں کا خاتمہ کیا تھا۔

بحث کیجیے

کن خیالات کے سبب تقسیم ملک کے دوران بہت سی معصوم خواتین کو موت اور تکالیف سے گزرنا پڑا؟ ہند و پاک حکومتیں کیوں ''اپنی'' خواتین کے باہمی تبادلے کے لیے راضی ہوگئی تھیں؟ آپ کے خیال میں کیا ایسا کرتے وقت وہ صحیح تھے؟

© NCERT not to be republished

6. علاقائی اختلافات
(REGIONAL VARIATIONS)

ابھی تک ہم عام لوگوں کے جن تجربات پر بحث کر رہے تھے وہ برصغیر کے شمال مغربی حصوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کیا تقسیم ملک بنگال، اتر پردیش، بہار، مرکزی ہندوستان اور دکن میں عین اسی طرح واقع ہوئی؟ اگر چہ 1946 میں کلکتہ اور نوآکھالی میں انسانی جانوں کا بھاری اتلاف ہو چکا تھا لیکن تقسیم ملک کی سب سے زیادہ خونی اور تباہ کن شکل پنجاب میں سامنے آئی۔ مغربی پنجاب سے تقریباً تمام ہندوؤں اور سکھوں کو ہندوستان میں اور تقریباً تمام پنجابی بولنے والے مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا اور یہ 1946 سے 1948 کے درمیان نسبتاً دو سال کے عرصہ میں واقع ہوا۔

اتر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش میں حیدرآباد کے بہت سے خاندان 1950 کی دہائی اور 1960 کی ابتدائی دہائی کے پورے عرصے میں مسلسل پاکستان کی طرف ہجرت کرتے رہے گو کہ بہت سے مسلمانوں نے ہندوستان میں ہی رہنا پسند کیا۔ ان میں سے بہت سارے اردو بولنے والے لوگ جو مہاجر کے نام سے معروف ہیں، سندھ میں کراچی اور حیدرآباد علاقے کی طرف نقل مکانی کر گئے۔

بنگال میں یہ ہجرت زیادہ طویل عرصہ تک جاری رہی۔ لوگ ایک غیر محکم سرحد کے آر پار نقل مکانی کرتے رہے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی تھے کہ بنگالی تقسیم سے جو تکلیف کا عمل پیدا ہوا تھا وہ شاید اتنا زیادہ شدید نہ تھا لیکن یہ ایک ذہنی آزار کی طرح تھا۔ مزید برآں پنجاب کے برخلاف بنگال میں آبادی کا باہمی تبادلہ بھی تقریباً مکمل نہیں تھا۔ بہت سے بنگالی ہندو مشرقی پاکستان میں جب کہ بہت سے بنگالی مسلمانوں نے مغربی بنگال میں ہی موجود رہنا بہتر سمجھا۔ بالآخر بنگالی مسلمانوں (مشرقی پاکستان) نے جناح کے دو قومی نظریہ کو سیاسی کارروائی کے ذریعہ خارج کرتے ہوئے پاکستان سے خود کو علاحدہ کر لیا اور 72-1971 میں بنگلہ دیش کی تشکیل عمل میں آئی۔ مذہبی اتحاد بھی مشرقی اور مغربی پاکستان کو باہم جوڑ کر نہیں رکھ سکا۔

شکل 14.13
ناامیدی کے چہرے
1947 میں پرانے قلعے کے اندر ایک پناہ گزیں کیمپ قائم کیا گیا تھا جس میں مختلف مقامات سے مہاجرین کثرت کے ساتھ آرہے تھے۔

تاہم پنجاب اور بنگال کے تجربات کے درمیان زبردست یکسانیت ہے۔ ان دونوں ریاستوں میں عورتیں اورلڑکیاں ستم رانی کا بنیادی ہدف بن گئیں۔حملہ آورعورتوں کےجسموں کے ساتھ مفتوح قلمرو کی طرح سلوک کرتے تھے۔ وہ ایک فرقہ کی عورتوں کی بے عزتی کو ان کے پورے فرقہ کی بے عزتی اورانتقامی کے پرفریب طریق عمل کےطور پر دیکھتے تھے۔

افسانے،شاعری،فلمیں (Fiction, Poetry, Films)

کیا آپ تقسیم ملک سے متعلق کسی طرح کی مختصر کہانیوں، ناولوں، نظموں یا فلموں سے مانوس ہیں؟ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تقسیم ملک سے متعلق ادب اور فلمیں اس دہشت ناک تباہی کے واقعہ کو مؤرخین کے تحقیقی کاموں کے مقابلے میں زیادہ بصیرت افروز میں نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ عوام کی تکالیف اور دکھ درد کو ایک فرد کے کردار یا عام لوگوں کے ایک چھوٹے گروہ کے ذریعہ غور کرکے واقعات کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کی تقدیریں ایسے بڑے واقعہ سے تشکیل پاتی ہیں جن پر وہ کوئی قابو نہیں رکھتے۔ یہ اس زمانے کے ذہنی عذاب اور ابہام کو نا قابل فہم انتخابات کو جن کے ساتھ بہت سے لوگوں نے مقابلہ کیا تھا ریکارڈ کیا گیا ہے۔ ان میں تشدد کا حجم اور پریشانی کا پیمانہ انسانی تخریب کاری و بداخلاقی اور صدمے کے احساس کا اندراج کیا گیا ہے۔ ان میں امید اور ان طریقوں کا اظہار بھی ہے جن سے لوگوں نے اس مصیبت پر قابو پایا تھا۔

اردو کے انوکھے، غیر معمولی طور پر ذہین افسانہ نگار سعادت حسن منٹو نے اپنی تحریر (کام) کے متعلق کہا تھا:

> طویل عرصے سے میں ملک کی تقسیم کے ذریعہ پیدا انقلاب کے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔ میں اب بھی اسی طرح محسوس کرتا ہوں اور گمان کرتا ہوں کہ آخر کار خود پر ترس کھائے یا مایوس ہوئے بغیر اس ہیبت ناک سچائی کو قبول کرلیا۔ اس عمل میں، میں نے انسان کے بنائے ہوئے خون کے سمندر کے ایک نایاب رنگ کے موتی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی، اکیلے ذہن کی دھن کے ساتھ جس میں انسان انسان کو مار رہا تھا کے متعلق لکھا، ان میں سے کچھ کی شدید ندامت کے احساس کے متعلق لکھا، ان قاتلوں کے بہائے گئے آنسوؤں کے متعلق لکھا جو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ان میں اب تک کچھ انسانی احساسات کیوں باقی رہ گئے۔ یہ سب اور مزید بھی، میں نے اپنی کتاب ''سیاہ حاشیے'' میں لکھا ہے۔

تقسیم ملک سے متعلق ادب اور فلمیں بہت سی زبانوں میں موجود ہیں۔ ہندی، اردو، پنجابی، سندھی، بنگالی، آسامی اور انگریزی میں قابل لحاظ کام ہوا ہے۔ آپ منٹو، راجندر سنگھ بیدی (اردو)، انتظار حسین (اردو)، بھیشم ساہنی (ہندی)، کملیشور (ہندی)، راہی معصوم رضا (ہندی)، نارائن بھارتی (سندھی) سنت سنگھ سکھوں (پنجابی)، نریندر ناتھ مشرا (بنگالی)، سید ولی اللہ (بنگالی)، للیتا میبکا انتھ راجنم (ملیالم) امیتو گھوش (انگریزی) اور باپسی سدھوا (انگریزی) جیسے ادیبوں کو پڑھنا چاہیں گے۔ امرتا پریتم، فیض احمد فیض اور دنیش داس نے بالترتیب پنجابی، اردو اور بنگالی میں تقسیم ملک پر یادگار نظمیں تحریر کی ہیں۔ آپ رتوک گھٹک (میگھے ڈھاکہ تارا اور سوبرنا ریکھا) ایم۔ ایس ستھیو (گرم ہوا)، گووند نہلانی (تمس) کی ہدایت کاری پر بنی فلمیں اور حبیب تنویر کی ہدایت کاری میں پیش کیے گئے ڈرامہ ''جن نے لاہور نہیں دیکھا او جمائے نئی'' (جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا) بھی شاید دیکھنا چاہیں گے۔

بحث کیجیے

تقسیم ملک سے آپ کی ریاست یا کسی پڑوسی ریاست پر کیا اثر پڑا؟ معلوم کیجیے کہ اس سے علاقے کے مرد و زن کی زندگیاں کس طرح متاثر ہوئیں اور انھوں نے حالات کا کس طرح سامنا کیا؟

© NCERT not to be republished

7. مدد، انسانیت، ہم آہنگی
(HELP, HUMANITY, HARMONY)

تشدد کے ملبے اور تقسیم ملک کے درد کے نیچے مدد، انسانیت اور ہم آہنگی کی ایک عظیم تاریخ دفن ہے۔ عبدالطیف کے دردناک و پُر اثر بین ثبوت جیسے بہت سے بیانات سے یہ سب آشکار ہوتا ہے۔ مؤرخین نے اس سلسلے کی بہت سی کہانیاں تلاش کی ہیں کہ کس طرح تقسیم ملک کے دوران لوگوں نے ایک دوسرے کی مدد کی۔ یہ ہمدردی اور حصہ داری نئے مواقع کے آغاز اور صدمات پر فتح کی کہانیاں ہیں۔

اس لحاظ سے خوشدیو سنگھ کا کام ہمارے لیے ایک مثال ہے۔ ڈاکٹر خوشدیو سنگھ ٹی بی (تپ دق) کے ماہر ایک سکھ ڈاکٹر تھے جو اس زمانے میں دھرم پور میں تعینات تھے۔ یہ موجودہ دور میں ہماچل پردیش میں ہے۔ دن رات اپنے کام میں مشغول ہو کر ڈاکٹر صاحب نے لاتعداد مہاجر مسلمانوں، سکھوں، ہندوؤں کو بغیر کسی تعصب کے تسکین کا ایک لمس، کھانا، پناہ، پیار اور تحفظ مہیا کرایا۔ دھرم پور کے باشندوں میں ان کے جذبہ انسانی اور فیاضی کے تئیں ایک قسم کا یقین و اعتماد پیدا ہو گیا جیسا کہ دہلی اور دیگر جگہوں کے مسلمانوں کا گاندھی جی پر تھا۔ ان میں سے ایک، محمد عمر نے خوشدیو سنگھ کو لکھا ''بڑی عاجزی کے ساتھ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کے تحت خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتا۔ اس لیے انتہائی مہربانی کے ساتھ میرے لیے اچھا ہوگا کہ آپ اپنے اسپتال میں مجھے ایک سیٹ مرحمت فرمادیں۔''

اس ڈاکٹر کے سخت محنت طلب کام کے متعلق ہم ان کی آپ بیتی بعنوان۔'' محبت نفرت سے زیادہ طاقتور'' (Love is Stronger than Hate) ہے: 1947 کی یادیں:

شکل 14.14
ہر جگہ پناہ گزینوں کے کیمپ لوگوں سے بھرے پڑے تھے جن کو صرف کھانا اور چھت ہی کی ضرورت نہ تھی بلکہ پیار اور دردمندی کی بھی حاجت تھی۔

ماخذ 8

انگوروں کی ایک چھوٹی ٹوکری
(A small basket of grapes)

ڈاکٹر خوشدیو سنگھ 1947 میں اپنے کراچی کے دورے کے دوران ہوئے اپنے تجربہ کے متعلق لکھتے ہیں:

میرے دوست مجھے ہوائی اڈے پر ایک کمرے میں لے گئے جہاں ہم سب بیٹھ کر بات چیت کرنے لگے...... (اور) ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا مجھے کراچی سے رات ڈھائی بجے لندن کے لیے روانہ ہونا تھا...... شام پانچ بجے...... میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ انھوں نے بڑی فراخدلی سے مجھے اپنا وقت دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سے ساری رات رکنے کی امید کرنا مناسب نہ ہوگا اور میں نے انھیں مشورہ دیا کہ خود تکلیف نہ اٹھائیں، لیکن کوئی بھی شخص رات کے کھانے تک مجھے چھوڑ کر نہیں گیا...... پھر انھوں نے کہا کہ وہ لوگ جا رہے ہیں اور میں جہاز پر سوار ہونے سے قبل تھوڑا آرام کرلوں...... میں رات میں پونے دو بجے اٹھا اور جب میں نے دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ وہ سب ابھی تک وہیں پر تھے...... وہ سب میرے ساتھ جہاز تک گئے اور میری روانگی سے قبل انگوروں کی ایک چھوٹی ٹوکری مجھے تحفے میں دی۔ میرے ساتھ پیار کے امنڈتے جذبات کے ساتھ جس طرح کا سلوک کیا گیا تھا اور یہاں ٹھہرنے سے مجھے جو خوشی ملی تھی اس کے اظہار تشکر کے لیے میرے پاس الفاظ نہ تھے۔

© NCERT not to be republished

(A Remembrance of 1947) سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں یہاں ڈاکٹر سنگھ اپنے کام کے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ایک انسان ہونے کے ناطے میری ساتھی انسانوں کے لیے اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے یہ حقیر سی کوشش تھی۔'' انھوں نے 1947 میں دو مختصر دوروں کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پرانے دوستوں اور دھرم پور میں جن کی انھوں نے مدد کی تھی ان کے ساتھ کراچی ہوائی اڈے پر یادگار گھنٹے گزارنے کا موقع ملا۔ پہلے کے شناسا چھی پولس والے ان کے ساتھ جہاز تک گئے اور جب وہ جہاز میں داخل ہوئے تو انھوں نے سلامی دی۔ ''میں نے ہاتھ جوڑ کر اظہار تشکر (سلامی) کیا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''

بحث کیجیے

اس ضمن میں مزید معلوم کیجیے کہ کس طریقے سے لوگوں نے تقسیم ملک کے دوران ایک دوسرے کی مدد کی اور لوگوں کی جان بچائی تھی۔

8. زبانی شہادتیں اور تاریخ

(Oral Testimonies and History)

کیا آپ نے اس مواد پر غور کیا ہے جن کی مدد سے اس باب میں تقسیم ملک کی تاریخ کی تعمیر یعنی تحریر کیا گیا ہے۔ زبانی بیانات، یادداشتیں، ڈائریاں، خاندانی تاریخیں، براہ راست لکھی گئیں رودادیں —ان سب سے تقسیم ملک کے دوران عام لوگوں کی دشواریاں اور سخت مصائب کی تفہیم میں مدد ملتی ہے۔ لاکھوں افراد نے تقسیم ملک کو تکالیف اور چیلنجوں کے دور کی شکل میں دیکھا۔ ان کے لیے یہ صرف ایک آئینی تقسیم یا مسلم لیگ، کانگریس اور دیگر کی جماعتی سیاست ہی نہیں تھی۔ بلکہ اس کے معنی زندگی میں غیر متوقع تبدیلیاں تھیں۔ 1946 اور 1950 کے درمیان اور آئندہ بتدریج واضح ہونے والی نفسیاتی، جذباتی اور سماجی تبدیلیوں سے مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔

ذاتی یادداشتوں —ایک قسم کا زبانی ماخذ— کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہمیں تجربات اور یادداشتوں کو تفصیل سے گرفت میں لینے میں مدد دیتے ہیں۔ ان سے مؤرخین کو تقسیم ملک جیسے واقعات کے دوران لوگوں کے ساتھ ہونے والے معاملات، کے متعلق غنی مشمولات کی ترکیب اور جاندار رودادوں کو تحریر کرنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ سرکاری دستاویزات سے اس قسم کی اطلاعات حاصل کرنا ناممکن ہے۔ سرکاری دستاویزات پالیسی اور سیاسی جماعتی معاملات اور مختلف سرکاری کفالت پر مبنی اسکیموں سے بحث کرتی ہیں۔ تقسیم ملک کے معاملے میں سرکاری رپورٹوں اور فائلوں کے ساتھ ہی اعلیٰ سرکاری افسران کی ذاتی تحریروں سے انگریزوں اور اہم سیاسی پارٹیوں کے مابین ہندوستان کے مستقبل یا پناہ گزینوں کی بازآبادکاری کے متعلق بات چیت پر کافی روشنی پڑتی ہے تاہم ان سے ملک کی تقسیم کے لیے حکومت کے فیصلے سے متاثر ہونے والوں کے معمول کے مطابق تجربات کے بارے میں بہت کم پتہ چلتا ہے۔

© NCERT not to be republished

زبانی تاریخ مؤرخین کواس بات کی بھی اجازت دیتی ہے کہ وہ غریب اور عاجز لوگوں— یعنی جیسے: عبدالطیف کے والد، تھوآ خالصہ کی خواتین، وہ پناہ گزیں جو حقیر زندگی کے لیے گیہوں کی خالی بوریاں جس میں گیہوں آتا تھا بیچ کر روزی روٹی کا سامان کرنے کے لیے مجبور اور تھوک داموں پر خردہ گیہوں فروخت کرنے والے بہار میں بننے والی سڑک پر کام کے بوجھ سے دوہری ہوتی ہوئی ایک متوسط طبقے کی بنگالی بیوہ، ایک پشاوری تاجر جس کے خیال میں ہندوستان میں ہجرت کرنے کے بعد کٹک میں چھوٹی موٹی نوکری غضب کی چیز تھی، لیکن اس نے پوچھا تھا ''کٹک کہاں ہے یہ ہندوستان کے اوپری حصے میں ہے یا نچلے حصے میں، پشاور میں تو ہم نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سنا؟''

فراموش کردہ زندہ تجربات سے بازیابی کے ذریعہ ان کے متعلقہ مضمون کی حدود کو وسعت دیں۔ اس طرح خوشی اور معروف لوگوں کی کارروئیوں سے آگے جاتے ہوئے تقسیم ملک کی زبانی تاریخ ایسے مرد وخواتین کے تجربات کا تفصیلی جائزہ لینے میں کامیاب رہی ہے جن کو اب تک نظر انداز کیا جاتا تھا، عمومیت کے سبب خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا یا جن کا ذکر صرف رائج الوقت روش میں بس چلتے چلتے کیا جاتا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کیونکہ جو تاریخیں ہم پڑھتے ہیں اس میں عوام کی زندگی اور کاموں کو ماضی میں اکثر نا قابل رسائی یا غیر اہم سمجھا جاتا تھا۔

ابھی تک بہت سے مؤرخین زبانی تاریخ کو شک پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ یہ اس کو خارج کرتے ہیں کیونکہ زبانی اعداد وشمار ان کو ٹھوس ثبوت نہیں معلوم ہوتے اور تاریخ وار ترتیب کا جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ مبہم لگتا ہے۔ مؤرخین کی دلیل ہے کہ ذاتی تجربوں کی جو ندرت ہے اس کے ذریعہ تعمیم (چند مثالوں سے نتیجہ اخذ کرنا) کرنا مشکل امر ہے یعنی اسی طرح کی چھوٹی شہادتوں سے ایک بڑی تصویر نہیں بنائی جاسکتی۔ وہ یہ بھی سوچتے ہیں کہ زبانی روداد اوپری مسائل سے تعلق رکھتی ہے اور چھوٹے چھوٹے نجی تجربات جو یادوں میں باقی رہتے ہیں تاریخ کے وسیع عمل کی پرتیں کھولنے کے لیے بے معنی ہیں۔

ہندوستان کی تقسیم اور جرمنی میں قتل عام جیسے واقعات کے تعلق سے پریشانی و بدحالی کی مختلف شکلوں کا جو لاتعداد لوگوں نے سامنا کیا ہے اس کے متعلق یہاں شہادتوں کی کمی نہیں ہے۔ لہٰذا رجحانات کی شناخت کرنے اور استثنا نشان زد کرنے کے لیے شہادت وافر مقدار میں موجود ہی

ہے۔زبانی یاتحریری بیانات کے موازنہ کے ذریعہ ان سے حاصل نتائج کو دیگر ماخذوں سے نکلے ہوئے نتائج کے ساتھ تصدیق کرکے اور اندرونی تضادات کے متعلق خبردار رہتے ہوئے مؤرخین پیش کردہ شہادت کے قابل اعتبار ہونے کو تول سکتے ہیں۔مزید برآں اگر تاریخ کو عام اور کمزور لوگوں کی موجودگی کے لیے ہم آہنگ کرنا ہے تو پھر تقسیم ملک کی تاریخ اوپری معاملات کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔تقسیم ملک کے تجربات کہانی کے مرکزی حصے سے اس قدر وابستہ ہیں کہ دیگر ماخذوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا چاہیے۔مختلف قسم کے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لیے الگ طرح کے ماخذوں کو تلاش کرنا ہوگا۔مثال کے طور پر سرکاری رپورٹیں ہمیں ہندو و پاک حکومتوں کے ذریعہ بڑی تعداد میں ''بازیاب'' کی گئیں خواتین کی باہمی تبادلہ کے متعلق تو بتاتی ہیں لیکن اپنی تکالیف کے متعلق جو انھوں نے جھیلی تھیں،صرف وہ عورتیں ہی بتائیں گی۔

ہمیں پوری طرح آگاہ ہونا ہوگا کہ تقسیم ملک کے ضمن میں زبانی اعداد و شمار خود بخود یا آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔انھیں انٹرویو کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور حکمت عملی کے ساتھ کامل ذہنی ہم آہنگی کو باہم ملانے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس تناظر میں سب سے پہلی مشکل یہ ہے کہ اصل کردار نجی تجربات کی شدت کے متعلق بات کرنے کے لیے خواہش مند ہی نہ ہوں تو مثال کے طور پر کوئی عورت جس کے ساتھ زنا بالجبر ہوا تھا بالکل اجنبی شخص کے سامنے اس سانحہ کا انکشاف کرنا کیوں چاہے گی؟ انٹرویو لینے والے شخص کا عموماً نجی صدمات کے متعلق تفتیش کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔انھیں تفصیلی اور بامعنی اعداد و شمار یا معلومات حاصل کرنے سے قبل انٹرویو دینے والے کے ساتھ قابل لحاظ میل جول قائم کرنا ہوگا۔اس کے بعد یادداشت کا مسئلہ آتا ہے۔کسی واقعہ کے متعلق جب کچھ دہائی کے بعد انٹرویو لیا جاتا ہے تو لوگ کیا یاد رکھتے ہیں اور کیا بھول جاتے ہیں؟ یہی جزوی طور پر درمیانی سالوں میں ان کے تجربات پر منحصر کرے گا اور ان سالوں میں ان کے فرقے اور ملکوں کے ساتھ کیا واقع ہوا۔زبانی مؤرخین کو تقسیم ملک کے ''حقیقی'' تجربات کو ''تعمیر شدہ'' یادداشتوں کے جال سے نکال کر جانچنے کے لیے چشم نمائی کرنے والے ایک مشکل کام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

© NCERT not to be republished

تقسیم ملک کا ایک جامع بیان تیار کرنے کے لیے بہت سے مختلف قسم کے ماخذی مواد کا استعمال کرنا ضروری ہے تا کہ ہم اسے نہ صرف ایک واقعہ اور طریقۂ عمل کے طور پر دیکھ سکیں بلکہ ان لوگوں کے تجربات کی بھی تفہیم کر سکیں جو اس دہشت ناک دور سے گزرتے ہوئے زندہ رہ گئے تھے۔

شکل 14.15
نہ تو ہر شخص گاڑی میں سفر کر سکتا تھا اور نہ ہی ہر ایک شخص پیدل چل سکتا تھا ......

© NCERT not to be republished

ٹائم لائن

1930	اردو شاعر محمد اقبال نے متحدہ مبہم ہندوستانی وفاق کے اندر ایک خودمختار اکائی ''شمال مغربی ہندوستانی مسلم ریاست'' کی ضرورت کے لیے کہا
1933	کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پنجابی مسلم طالب علم چودھری رحمت نے پاکستان یا پاک ہندوستان کا نام وضع کیا
1937-39	برطانوی ہندوستان کے 11 میں سے 7 صوبوں میں کانگریس کی وزارت اقتدار میں آئی
1940	لاہور اجلاس میں مسلم لیگ نے مسلم اکثریت والے علاقوں کے لیے ایک مقدار میں خودمختاری کا مطالبہ کرتے ہوئے قرارداد پیش کی
1946	صوبوں میں الیکشن منعقد ہوئے۔ عام انتخابی حلقوں میں کانگریس نے زبردست فتح حاصل کی اور مسلم سیٹوں پر مسلم لیگ کو شاندار کامیابی ملی
مارچ تا جون	برطانوی کابینہ نے تین ممبران پر مشتمل ایک کیبنٹ مشن دہلی بھیجا
اگست	مسلم لیگ نے پاکستان حاصل کرنے کے لیے ''ڈائریکٹ ایکشن'' کے حق میں فیصلہ لیا
16 اگست	کلکتہ میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان تشدد پھوٹ پڑا۔ کئی دن جاری اس تشدد میں ہزاروں لوگ مارے گئے
مارچ 1947	کانگریس اعلیٰ کمان نے پنجاب کو دو حصوں مسلم اکثریت ہندو۔ سکھ اکثریت والے حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے ووٹ دیا اور بنگال میں بھی اسی طرح کے اصول کو اپنانے کے لیے کہا، انگریزوں نے ہندوستان چھوڑنا شروع کر دیا
14-15 اگست 1947	پاکستان کی تشکیل ہوئی: ہندوستان کو آزادی حاصل ہوئی۔ گاندھی جی نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی بحال کرنے کے لیے مشرقی بنگال میں نواکھالی کا دورہ کیا۔

100 سے 150 لفظوں میں جواب دیجیے:

1۔ 1940 کی اپنی قرارداد کے ذریعہ مسلم لیگ نے کیا مطالبہ کیا تھا؟

2۔ کچھ لوگ ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ تقسیم ملک ایک اتفاقی واقعہ تھا؟

3۔ تقسیم ملک کو عام لوگ کس طرح سے دیکھتے تھے؟

4۔ تقسیم ملک کے خلاف گاندھی جی کے دلائل کیا تھے؟

5۔ تقسیم ملک کو جنوب ایشیائی تاریخ میں ایک انتہائی اہم یادگار علامت کے طور پر کیوں دیکھا جاتا ہے؟

مندرجہ ذیل پر ایک مختصر مضمون (250 سے 500 الفاظ پر مشتمل) لکھیے:

6۔ برطانوی ہندوستان کی تقسیم کیوں کی گئی؟

7۔ تقسیم ملک کے دوران عورتوں کے تجربات کیسے رہے؟

8۔ تقسیم ملک کے نظریات پر کانگریس کی سوچ میں کس طرح تبدیلی آئی؟

© NCERT not to be republished

9۔ زبانی تاریخ کی خصوصیات اور محدودات کی جانچ کیجیے۔ زبانی تاریخ کی تکنیک تقسیم ملک کی تفہیم کس طرح کرتی ہیں؟

نقشہ کا کام

10۔ جنوبی ایشیا کے نقشے پر کیبنٹ مشن کی تجاویز کے حصہ 'a'، 'b' اور 'c' کو نشان زد کیجیے۔ یہ نقشہ جنوبی ایشیا کے موجود نقشے سے کس طرح مختلف ہے؟

پروجیکٹ (کوئی ایک)

11۔ وہ نسلی تشدد جو یوگوسلاویہ کی تقسیم کا سبب بنا، اس کے متعلق پتہ لگائیے۔ اپنے نتائج کا موازنہ اس باب میں تقسیم ملک سے متعلق جو آپ نے پڑھا ہے اس کے ساتھ کیجیے۔

12۔ معلوم کیجیے کہ کیا آپ کے شہر، قصبہ، گاؤں اور قرب وجوار کے کسی مقام پر کسی فرقہ نے ہجرت کی ہے۔ (ہوسکتا ہے کہ آپ کے علاقے میں وہ لوگ بھی رہتے ہوں جو تقسیم ملک کے دوران ہجرت کر کے آئے تھے)۔ اس طرح کے فرقوں کے ممبران کا انٹرویو لیجیے اور اپنے نتائج کا خلاصہ ایک رپورٹ میں درج کیجیے۔ لوگوں سے ان کے آنے والے مقام کے متعلق پوچھیے، ان کی ہجرت کے اسباب اور ان کے تجربات کے بارے میں معلوم کیجیے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی پتہ لگائیے کہ ان کی اس ہجرت کے نتیجے میں اس علاقے میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

مزید معلومات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

جودھرا باگچی اور سوبھورنجن داس گپتا (مرتبہ) 2003۔
دی ٹراوما اینڈ دی ٹریمف: جینڈر اینڈ پارٹیشن ان ایسٹرن انڈیا
اسٹری، کولکاتہ

آلوک بھلا (مرتبہ) 1994
اسٹوریز اباؤٹ دی پارٹیشن آف انڈیا،
جلد اول، دوم، سوم
انڈس (ہارپر کولنس)، نئی دہلی

اروشی باٹالیہ، 1998
دی اور سائڈ آف سائلینس وائسس فرام دی پارٹیشن آف انڈیا
وائکنگ (پینگوئن بکس)، نئی دہلی

مشیر الحسن (مرتبہ) 1996
انڈیاز پارٹیشن
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

گیانیندر پانڈے، 2001
ریممبرنگ پارٹیشن: وائلینس نیشنلزم اینڈ ہسٹری ان انڈیا
کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج

انیتا اندر سنگھ، 2006
دی پارٹیشن آف انڈیا
نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی

© NCERT
not to be republished